هندستاني

هندستاني اکیڈیمي کا تماهي رسالہ

جلد ۲ } جنوری سنہ ۱۹۳۲ع { حصہ ۱

شاہ ظہور الدین حاتم

(از ڈاکٹر محي الدین قادري زور ایم اے ، پي ایچ ' ڈي)

همارِي گفتگو سب سے جدا ہے
همارے سب سخن ہیں بانکپن کے
وهي هیں ریختہ کے فن میں استاد
جو هیں گے آشنا حاتم کے فن کے

شاہ حاتم اُردو کے ایک بہت بڑے شاعر تھے اور بڑے بڑے شاعروں کے اُستاد بھی ' اُن کي صحیح عظمت کا اندازہ اس امر سے هوتا ہے کہ وہ دهلي کے اُن دو تین ابتدائي صاحبان ذوق میں سے هیں جنهوں نے " دیوان ولي " کے مطالعہ کے بعد فارسی گوئي ترک کرکے اُردو میں شعر کہنا شروع کیا لیکن یہ فخر حاتم هي کو حاصل ہے کہ وہ پہلے سخنور هیں جنهوں نے مستقل طور پر اُردو شاعري شروع کی ؛ اس کا چرچا کیا اور مسلسل ستر برس تک اُسي کي خدمت میں منهمک رهے - اردو کا شاید هي کوئي شاعر ایسا نکلے جسے اِتنے طویل عرصہ تک شاعري کرنے

کا موقعہ ملا ہو اور جو قابل قدر شاعروں کے ایک ایسے وسیع سلسلے کا اُستاد ہو -

ایک ایسے قابل قدر شاعر کے متعلق بھي اس وقت تک همارے یہاں بہت کم لکھا گیا ھے - اِس کا باعث ایک تو یہ ھے کہ شاہ حاتم کي زندگي اور کلام پر تحقیقات کرنے کے لیے هندوستان میں بہت کم مواد موجود تھا ' اور دوسرے یہ کہ جو کچھہ آزاد نے "آب حیات" میں لکھہ دیا اُس کو آخري لفظ سمجھہ لیا گیا ھے -

آزاد کے بعد اگر کسي نے اِس موضوع کي طرف توجہ کي تو وہ مولانا حسرت موهاني هیں - انہوں نے "اُردوے معلیٰ" (علی گڈھ - نمبر ۲ - جلد ۱۰ - نومبر سنہ ۱۹۰۹ ع) میں حاتم کے کچھہ حالات اور چند غزلیں پیش کي هیں - لیکن ان کا مضمون ظاهر کرتا ھے کہ انھیں بھی کوئي معلومات حاصل نہیں ہوئیں -

لندن میں جب راقم کو اُردو کے اکثر شہ‌کاروں کے مطالعہ کا موقعہ ملا تو حاتم کے عجیب و غریب "دیوان زادہ" کي بھي زیارت نصیب هوئي - "دیوان زادہ" اپني گوناگون خصوصیتوں کے لحاظ سے اُردو کے تمام دیوانوں میں نرالي حیثیت رکھتا ھے ' اور پھر خوبي یہ ھے کہ خود شاہ حاتم کے قلم سے سنہ ۱۱۷۹ ھ میں (گویا آج سے ایک سو ستّر برس پہلے) لکھا گیا ھے - اس کي سب سے بڑی خوبی یہ ھے کہ اس میں زبان اُردو کے درجہ بدرجہ ارتقا ' لفظوں اور ترکیبوں کي تبدیلیاں ' اور محاوروں اور لب و لہجہ کے اختلاف تاریخ وار مندرج ہوگئے هیں - یہ ایک ایسا کمیاب مواد ھے جس کي اهمیت کا اندازہ وهی کر سکتے هیں جو هندوستاني زبان کي لساني ساخت پر غور وخوض میں مصروف هیں - چنانچہ اس کارنامہ کے مطالعہ کے ساتھہ هي

مجھے حاتم کی زندگي اور اُن کے کلام کي نوعیت کے متعلق تحقیقات کرنے کا خیال پیدا ہوا ' اور حسن اِتفاق سے یورپ ہي کے متفرق کتب خانوں میں اس موضوع کي نسبت بہت سي معلومات حاصل ہوگئیں -

چونکہ حاتم اور اُن کے ہمعصروں کے بہت سے حالات و خیالات اس وقت تک بے نقاب نہیں ہوئے ہیں' اور اس طرح ہمارے ادب و زبان کي تاریخ کے ایک اہم دور کي نسبت ہماري معلومات بہت محدود ہیں ' اس کے علاوہ یہ ظاہر ہے کہ نوجوانوں کے اعلیٰ ذہني اِرتقا اور صحیح ادبي تربیت کي بزرگداشت کے لئے قدیم علمي و ادبي روایات کا مطالعہ اور پیش رو شاعروں اور ادیبوں کے خیالات و حالات زندگی کی واقفیت نہایت ضروری ہے - اس لیے وطن واپس ہونے کے بعد میں نے اپني پہلي فرصت میں اس مضمون کي تکمیل کی طرف توجہ کی ہے -

حاتم کے متعلق آزاد نے جو کچھ لکھا ' اس میں کوئي شک نہیں ' اسلوب بیان اور دلچسپيء مضمون کے لحاظ سے خاص طور پر قابل قدر ہے - لیکن معلومات کے لحاظ سے قابل تشفي نہیں - افسوس اس امر کا ہے کہ آزاد نے معلومات حاصل کرنے کي کما حقہ کوشش نہیں کي ' ورنہ ممکن تھا کہ اُس زمانے میں اُنہیں بعض ایسي معلومات حاصل ہو جائیں جو آج ہمیں کسي طرح نصیب نہیں ہو سکتیں -

" آب حیات " میں حاتم کے متعلق جو مختصر سی معلومات درج ہیں اُن کي صحت بھی غالباً آزاد کے مخصوص طرز بیان کي وجہ سے بري طرح مجروح ہو گئي ہے - اُن کے تمام مآخذ آج یورپ کے کتب خانوں میں موجود ہیں ' اور ان اصلي بیانات

سے آزاد کی عبارتوں کا مقابلہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یا تو آزاد نے عمداً انہیں مسخ کردیا ؟ یا "آب حیات" کا مسودہ تیار کرتے وقت یہ اصل مآخذ اُن کے سامنے نہ تھے - گُمان غالب تو یہی ہے کہ اُن کے اکثر بیانات صرف اُن کے غیر معمولی حافظہ کے مرہون منت ہیں - اصل ماخذوں اور آزاد کی عبارتوں کے اختلافات اس مضمون میں حسب موقع پیش کیے گئے ہیں -

یہاں اس واقعہ کا اظہار بھی ضروری ہے کہ "دیوان زادہ" تو کجا حاتم کا غالباً کوئی اُردو دیوان آزاد کی نظر سے نہیں گذرا - ورنہ اُن کے حالات اور شاعری کی نسبت آزاد کی معلومات اس قدر مختصر نہ ہوتیں - اس کے علاوہ اگر واقعی حاتم کا کوئی اُردو دیوان آزاد کی نظر سے گذرتا تو وہ اس کا ذکر بھی اسی طرح کردیتے جس طرح دیوان فارسی کا حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے :—

> "شاہ حاتم کا ایک دیوان فارسی میں بھی ہے - مگر بہت مختصر - میں نے دیکھا وہ سنہ ۱۱۷۹ھ کا خود اُن کے قلم کا لکھا ہوا تھا - غزل ۴۰ صفحے ' رباعی و فرد وغیرہ ۶ صفحے - "

اگر آزاد "دیوان زادہ" دیکھتے تو اُس کی نادر خصوصیات کا "آب حیات" میں ضرور ذکر کرتے - اور حاتم کے کلام کا نمونہ نقل کرتے وقت وہ سرخیاں بھی یقیناً لکھ لیتے جو "دیوان زادہ" کی غزلوں کا نمایاں جزو ہیں -

(۲)

— آغاز شاعري —

حاتم کا نام شیخ ظہورالدین تھا - وہ شاہجہاں‌آباد میں سنہ ۱۱۱۱ھ میں پیدا ہوئے - لفظ " ظہور " سے ان کي پیدایش ظاہر ہوتي ہے - یہ واقعہ انہوں نے مصحفي سے کہا تھا - اور غالباً مصحفي نے ہي پہلي دفعہ اپنے فارسي تذکرہ ''عقد ثریا'' (تصنیف ۱۱۱۹ھ) میں اس کا ذکر کیا - وہ لکھتے ہیں کہ " بقولش تاریخ تولدش حرف ظہور باشد " (مخطوطہ برٹش میوزیم) پھر اُردو تذکرے میں بھي اِس خیال کو الفاظ کي تھوڑي سي تبدیلي کے ساتھہ بیان کیا ہے -

اِن کے والد کا نام شیخ فتح الدین تھا - وہ غالباً سپاھي پیشہ تھے - چنانچہ ظہور الدین کي تربیت پہلے اسی فن کے مناسب کی گئي - مگراُس زمانہ کے عام مذاق کے مطابق اِس لڑکے کو شعر و شاعري کا ذوق بھي پیدا ہو گیا - حاتم نے پندرہ سولہ برس کي عمر ہي سے شعر کہنا شروع کیا اور اپنا پہلا تخلص رمز اختیار کیا -

شاہ حاتم نے کس سنہ میں شاعري شروع کي اس کے متعلق چند اختلافات ہیں :—

(۱) وہ اپنے ایک شعر میں جو سنہ ۱۱۶۴ھ کي لکھي ہوئي غزل میں شامل ہے ' لکھتے ہیں :—

اٹھتیس برس ہوئے کہ حاتم * مشاق قدیم و کہنہ گو ہے

اس شعر کے لحاظ سے حاتم نے سنہ ۱۱۲۶ھ میں شاعري شروع کی -

(۲) مگر لندن کے مخطوطہ " دیوان زادہ " کے دیباچہ میں وہ یوں رقمطراز ہیں :—

'' از سنه یکهزار وبست وهشت تا یکهزار و شست و هشت
که قریب چهل سال باشد نقد عمر دریں فن
صرف نمودہ ۔ ''

اس بیان کے لحاظ سے حاتم نے ۱۷ سال کی عمر میں سنه ۱۱۲۸ ھ میں شاعری شروع کی ۔

(۳) آزاد نے " آب حیات " میں " دیوان زادہ " کے دیباچه کے جو الفاظ نقل کئے ھیں وہ یه ھیں :—

'' از سنه ۱۱۲۹ ھ تا سنه ۱۱۶۹ ھ که چهل سال
باشد ' عمر دریں فن صرف کردہ ''

اس کے لحاظ سے حاتم کی عمر ۱۸ سال ھو جاتی ھے اور سنه شاعری ۱۱۲۹ ھ ۔ ''

ان تینوں میں سنه ۱۱۲۸ ھ صحیح معلوم ھوتا ھے کیونکه وہ اُس " دیوان زادہ " کے دیباچه میں موجود ھے جو خود حاتم کے ھاتھه سے لکھا گیا ھے ۔ آزاد نے جو دیباچه نقل کیا ھے وہ (جیسا که آگے ثابت کیا جائے گا) اُن کے حافظه کی یادداشت پر مبنی ھے اور اصل دیباچه سے کئی امور میں مختلف ھے ۔ رھی حاتم کے شعر کی سند جس سے سنه ۱۱۲۶ ھ نکلتا ھے تو وہ دیباچه کے ذمهدارانه بیان کے مقابله میں قابل لحاظ نہیں رھتی ۔

اسی سلسلے میں اِس واقعه کا ذکر بھی ضروری ھے که حاتم کی شاعری کی ابتدا کے متعلق آزاد نے حسب ذیل عبارت لکھی ھے :—

" شیخ غلام همدانی مصحفی اپنے تذکرہ میں اُن کی
شاعری کی ابتدا یه لکھتے ھیں که سنه ۳
محمد شاھی عہد میں ولی کا دیوان دکن سے

دهلی میں آیا - اس زمانے کے حال کے مطابق
وهی غنیمت تها - اس واسطے خاص و عام میں
اس کا بہت چرچا هوا - شاہ حاتم کي طبیعتِ موزوں
نے بهي جوش مارا - شعر کہنا شروع کیا
اور همت و لیاقت سے اُسے اِنتہا کو پہنچایا -"

اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو حاتم کي شاعري کي ابتدا سنه ۱۱۳۲ ھ میں ۲۱ سال کي عمر میں قرار پاتي هے -

مگر "آب حیات" کي اس عبارت میں سب سے پہلے تو سنه کا اختلاف قابل ذکر هے - مصحفي نے لکھا هے که "در سنه دویم فردوس آرامگاہ. . . ." (تذکرۂ هندي برٹش میوزیم) - اِس کے علاوہ مصحفي کے اصل بیان سے مقابلہ کرنے کے بعد ظاهر هوتا هے که آزاد کو غلط فہمي هوگئي تهي - مصحفي کے کسی تذکرے میں یه کہیں نہیں لکھا هے که حاتم نے ولي کا دیوان دیکھنے کے بعد شاعري شروع کي - وہ اپنے "تذکرۂ هندي" میں لکھتے هیں :—

"روزے (شاہ حاتم) پیش فقیر نقل مي کرد که در
سنه دویم فردوس آرام گاہ دیوان ولي در شاهجہان آباد
آمد - و اشعارش بر زبان خورد و بزرگ جاري گشته
با دو سه کس که مراد از ناجي و مضمون و آبرو
باشد ؟ بناے شعر هندي را بایہام گوئي نہادہ داد
معني یابي و تلاش مضمون تازہ مي دادیم -"

مصحفی کے فارسي تذکرہ "عقد ثریا" میں اس واقعه کا ذکر نہیں - اور هونا بهی نہیں چاهیے کیونکه وہ تذکرہ فارسي شاعري سے متعلق هے -

اِن حالات کي بنا پر صرف یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ حاتم نے "دیوان ولی" کے مطالعہ سے چار پانچ برس پہلے یعنی سنہ ۱۱۲۸ھ ہی سے فارسي میں مرزا صائب کي طرز پر شعر کہنا شروع کردیا تھا؟ مگر جب سنہ ۱۱۳۲ھ میں "دیوان ولی" کي زیارت کی تو اُنہوں نے اور اُن کے چند ہمعصروں نے شمال میں اُردو شاعري کي ابتدا کي - اور شاید اُسي وقت سے حاتم نے اپنا اِبتدائي تخلص رمز ترک کر کے لفظ حاتم اختیار کیا - مصحفی کا اصل بیان دھلی میں اُردو شاعري کي مقبولیت و ابتـدا کا حال ظاھر کرتا ھے نہ کہ حاتم کي شاعری کي ابتدا کا -

اس ضمن میں یہ لکھ دینا ضروري ھے کہ سنہ ۱۱۳۲ھ سے بہت پہلے ھي ولي کي شہرت اور اُن کے کلام کے نمونے دھلي پہنچ چکے تھے - یہ اور بات ھے کہ مکمل دیوان عہد محمد شاہ کے دوسرے سال وھاں پہنچا ھو - بعض ایسے قراین بھي موجود ھیں جو ظاھر کرتے ھیں کہ خود ولي نے اورنگ‌زیب کے عہد میں دھلي کا ایک سفر کیا تھا مگر یہ امر بحث طلب ھے اور موجودہ مضمون کے لیے باعث طوالت -

"دیوان زادہ" میں حاتم کي ایک غزل ایسي ھے جو سنہ ۱۱۲۱ھ میں لکھي گئي ھے اور ولي ھی کي زمین اور طرز میں - حاتم کی اس غزل کا پہلا مصرع یہ ھے :—

تاباں ہے اس نگہ سے میرے دل میں نور آج

(دیوان زادہ غزل نمبر ۷۰)

اس غزل کا سنہ تصنیف ظاھر کرتا ھے کہ ولي کا دیوان دھلي پہنچنے سے پہلے ھي اس کی چند غزلیں وھاں پہنچ چکي تھیں جن کے مطالعہ کے بعد وھاں کے شاعروں کو جو در اصل فارسي‌گو تھے اُردو میں

بھي کہنے کا خيال پيدا ہو چلا تھا - يه خيال در اصل مکمل دو ديوان ولي کي زيارت کے بعد پختہ ہوگيا -

حاتم نے سنه ۱۱۳۱ ھ ميں ولي کي جس غزل پر غزل لکھي تھي وہ شايد بعد ميں ناپيد ہوگئي کيونکہ انجمن ترقي اُردو سے اُن کي کليات مولوي احسن مارهروي صاحب نے شايع کي هے اس ميں اِس غزل کا پتہ نہيں چلتا -

(۳)

— ولي کا اثر —

شاہ حاتم ولي کو اپنا استاد سمجھتے تھے - وہ "ديوان زادہ" کے ديباچہ ميں يوں رقمطراز هيں :—

"در شعر فارسي بطرز مرزا صائب و در ريختہ بطور ولي رحمہم‌الله اوقات خود بسر مي برد و هر دو را استاد مي داند"

آزاد نے اس عبارت کو تھوڑے سے اِختلاف کے ساتھہ يوں نقل کيا هے :—

"در شعر فارسي پيرو مرزا صائب و در ريختہ ولي را اُستاد مي داند"

مگر دونوں عبارتوں سے تقريباً ايک هي مطلب ظاهر ہوتا هے -

حاتم دهلي کے اُن شاعروں ميں سے هيں جنھوں نے ولي اور ان کے کلام سے خاص طور پر فيض اور اثر حاصل کيا - اور معلوم ہوتا هے که جب وہ محمد شاہ کے عهد ميں دهلي آئے تو حاتم نے بھي اُن سے ملاقات کي - وہ ولي کو بزرگ سمجھتے تھے اور ان کي موجودگي ميں ان کي غزلوں پر غزل لکھنے کو بے ادبي سمجھتے تھے - چنانچہ سنه ۱۱۴۱ ھ کي ايک غزل کا مقطع يه هے :-

اے ولي مجھه سے اب آزردہ نہونا که مجھے

یه غزل کھنے کو نواب نے فرمائي ھے

حاتم نے یه غزل ولي کي اُس مشہور غزل پر لکھی تھي جس کا مقطع یه ھے :-

اے ولي رھنے کوں دنیا میں مقامِ عاشق

کوچۂ زلف ھے یا گوشۂ تنہائي ھے

یه غزل انجمن ترقي اُردو کي مطبوعه کلیات میں صفحه ۲۹۹ پر واقع ھے -

شاہ حاتم کے اِس مقطع سے یه بھي ظاھر ھوتا ھے که ولي غالباً سنه ۱۱۴۱ میں دھلي میں موجود تھے - ولي کے عہدِ محمد شاہ میں دھلي جانے کي تاریخ بھي اب تک تحقیق طلب ھے - مگر حاتم کا یه مقطع اور اُن کي دوسري بارہ غزلیں جو ولي کي زبان و طرز میں لکھی گئي ھیں اِس مسئله کو بھي ایک حد تک حل کر دیتي ھیں -

حاتم نے ولي کی زبان میں ۱۳ غزلیں لکھیں - کسي اور شاعر کي تقلید میں اُن کے یہاں اتنی زیادہ غزلیں نہیں ھیں - اُن کي پہلی غزل جس کا ذکر گذر چکا ھے سنه ۱۱۳۱ ھ میں لکھي گئي ھے - دوسري سنه ۱۱۳۵ ھ میں لکھي گئی ھے - اُس کا پہلا مصرعه یه ھے :—

جس کو تیرا خیال ھوتا ھے (دیوان زادہ غزل ۳۱۳)

اِس زمین کي غزل اِس وقت "کلیات ولي" میں محفوظ نہیں ھے -

اس کے بعد سنه ۱۱۳۶ ھ میں حاتم نے ولي کي تقلید میں تین غزلیں لکھیں جن کي تفصیل یه ھے :—

۱ ۔ مصرعۂ حاتم—کاملوں کا یہ سخن مدت سے مجھکو یاد ہے
(دیوان زادہ نمبر ۲۹۶)

,, ولي —ہے بجا عشاق کي خاطر اگر ناشاد ہے
(کُلیات ولي صفحہ ۲۵۹)

۲ ۔ ,, حاتم—نہ کر خوباں سے اے دل آشنائي
(دیوان زادہ نمبر ۳۷۸)

,, ولي—ترا مُکھہ ہے چراغ دل‌ربائي
(کلیات ولي صفحہ ۳۰۵)

۳ ۔ ,, حاتم—جس طرف کو کہ یار جاتا ہے
(دیوان زادہ نمبر ۳۱۴)

اِس زمین کي ولي کي غزل مطبوعہ کلیات میں درج نہیں ہے ۔
سنہ ۱۱۳۸ ھ میں حاتم نے اس نوعیت کی دو غزلیں لکھیں یعنی :-
۱ ۔ مصرعۂ حاتم—اُس پریرو کا مجھے ہردم تصور کام ہے
(دیوان زادہ نمبر ۲۳۹)

,, ولي —نشہ بخشِ عاشقاں وہ ساقيِ گُلفام ہے
(کُلیات ولي صفحہ ۲۸۱)

۲ ۔ ,, حاتم—مجھسے مِس کو یہ کیمیا بس ہے
(دیوان زادہ نمبر ۲۳۷)

ولي کے مطبوعۂ کُلیات میں اس زمین کی غزل موجود نہیں ۔
سنہ ۱۱۳۸ ھ میں بھي دو غزلیں ولي کي زمین میں لکھي ہیں یعني :-
۱ ۔ مصرعۂ حاتم—اُلفت کی مجھکو پیارے تیري نگاہ بس ہے
(دیوان زادہ نمبر ۳۳۶)

,, ولي —ہم کو شفیع محشر وہ دیں پناہ بس ہے
(کُلیات ولي صفحہ ۲۷۴)

۲ - ،، حاتم — جب چمن میں چلا وہ سرو بلند

(دیوان زادہ نمبر ۱۰۳)

ولي کي مطبوعہ کلیات میں اس زمین کی کوئی غزل نہیں ھے -

"دیوان زادہ" میں حاتم نے ایسي کوئي غزل منتخب نہیں کي ھے جو ولي کی طرز میں سنہ ۱۱۴۰ ھ میں لکھي گئي ھو - البتہ سنہ ۱۱۴۱ ھ کی دو غزلیں اِس نوعیت کي موجود ھیں - ایک کا ذکر اوپر گذرچکا ھے - دوسري غزل کا پہلا مصرعہ ھے :—

جو چمن میں جا کے اِس حالت کا میں چرچا کروں

(دیوان زادہ نمبر ۲۳۷

اِس زمین کي ولي کي غزل نہایت بلند پایہ ھے - اس کا مطلع ھے :—

خوبی اعجاز حُسنِ یار اگر انشا کروں

بے تکلف صفحۂ کاغذ ید بیضا کروں

(کلیات صفحہ ۱۵۸)

ان گیارہ غزلوں کے بعد "دیوان زادہ" میں صرف دو ھي غزلیں اس نوعیت کي ملتي ھیں - ان میں سے ایک سنہ ۱۱۴۳ ھ کي ھے اور دوسري سنہ ۱۱۶۹ کي - پہلی غزل کا پہلا مصرعہ ھے :—

جس کو حاتم خیال مال ھوا (دیوان زادہ نمبر ۲۵)

اِس زمین میں ولی کی غزل کا پہلا مصرعہ :-

جلوہ گر جب سوں وہ جمال ھوا (کلیات صفحہ ۴۲)

دوسري غزل غالباً ولي کے انتقال کے بعد لکھي گئي ھے - اس کا مصرعہ ھے :-

کبھو تک دیدۂ انصاف نہ کر کبر و منی

اس زمیں کي کوئی غزل کلیات ولي میں محفوظ نہیں ھے -

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنہ ۱۱۲۹ سے سنہ ۱۱۴۱ تک کا زمانہ ایسا ہے جس میں حاتم ولی کے زیادہ زیر اثر رہے۔ اسي زمانہ میں ولي شاهجهاں آباد میں قیام پذیر تھے - اور وہاں ریختہ گوئي کا شوق عام ہوگیا تھا - چنانچہ اس عرصہ میں حاتم نے بھي ایک دیوان مکمل کر لیا غالباً جو سنہ ۱۱۴۲ ھ میں مرتب ہوا اور بہت جلد عوام میں مقبول ہوگیا - اس وقت حاتم کي عمر تیس بتیس سال سے زیادہ نہ تھي - اس دیوان کی ترتیب کا ذکر انہوں نے دیباچہ "دیوان زادہ" میں اس طرح کیا ہے :—

"دیوان قدیم از بست و پنج سال در بلاد ھند مشہور دارد و بعد ترتیب آں تا امروز کہ سنہ احد عزیزالدین عالمگیر بادشاہ باشد بقول بزرگے کہ

مارا بفراغت بہ اجل دیو رساند

ایں عمر دراز سخت کوتاهي کرد (کذا)

ھر رطب و یا بس کہ از زبان ایں بے زبان بر آمدہ داخل دیوان قدیم نمودہ کلیات مرتب ساختہ -"

(۴)

— ملازمت —

اُردو کے اکثر تذکرے اس خیال پر متفق ہیں کہ حاتم سپاھي پیشہ تھے اور بچپن ھي سے اُن کي تربیت اس قسم کي ہوئي تھی - وہ ہمیشہ فارغ‌البال اور ہم‌چشموں میں ممتاز رہے - مصحفي نے "عقد ثریا" میں لکھا ہے :—

"در ایام جواني سپاھي پیشہ بود......از بسکہ ایں خرابہ از قدردان معمور بود - امیر زادہ ھائے والا

تجار و نوئیدان ذوي‌الاقتدار او را پیش از پیش به
تواضع و تعظیم پیش آمده بر مسند برابر خود
جامي دادند و مناسب حال خودها هر یکے از
وافر مي گذرانیدند ""

اس تحریر کے کئي سال بعد پھر " تذکرۂ هندي " میں
لکھتے هیں :—

" همیشه عمده معاش بود ـ و اوقات را بخوبي گذرایندہ
مرد سپاهي پیشه از هندستان زایان قدیم
بوده ـ "

منشي کریم‌الدین اور آزاد کے بیانات ظاهر کرتے هیں که اپنے همعصر
نوجوانوں کے جو جو شوق تھے وہ سب حاتم بھي پورے کرتے تھے ـ کریم‌الدین
نے لکھا ہے که " یه جن روزوں میں که سرکار عمدۃالملک امیر خاں بہادر
کے یہاں ملازم تھا ارتکاب مذهبیات کا بدرجه اعلیٰ کرتا تھا ـ "
منشي کریم‌الدین کا تذکرہ بظاهر گارساں دتاسي کي " تاریخ ادبیات
هندوي و هندستاني " کا ترجمه ہے ـ مگر دتاسي نے حاتم کے متعلق
یه خبر کہیں نہیں لکھي ـ معلوم هوتا ہے که منشي صاحب نے
اپني طرف سے اضافه کیا ہے ـ اور یه واقعه ہے که " طبقات الشعراء "
دتاسي کي اهم " تاریخ " کا بعینه ترجمه نہیں ہے ـ خود دتاسي
اس بات کا قایل ہے که " طبقات " قطعاً ایک علیحدہ اور
آزاد کتاب ہے (دیکھو " تاریخ ادبیات " طبع ثاني ـ جلد اول
صفحه ۴۸) ـ

کریم‌الدین نے حاتم کے متعلق اپني معلومات کا کوئي دوسرا ماخذ
نہیں بتلایا ـ اور آزاد نے اس بارے میں جو کچھه لکھا ہے وہ کم و
بیش " طبقات " هي سے ماخوذ ہے ـ ایسي صورت میں حاتم کي

رند مشربي اور ''بانکا'' مزاجي ایک حد تک مشتبہ ھے - اگرچہ اس میں کوئي شک نہیں کہ امیروں اور نواب زادوں سے حاتم کے دوستانہ تعلقات تھے اور بہت ممکن ھے کہ ان کی صحبت کا اثر ان پر بھی پڑا ھو -

حاتم کا ذریعۂ معاش ابتدا میں کیا رھا اس کي نسبت اس وقت ھمیں کوئي علم حاصل نہیں ھوسکا - اتنا ضرور معلوم ھے کہ چوبیس سال کي عمر میں وہ زیادہ خوش حال نہیں تھے چنانچہ سنہ ۱۱۴۵ ھ میں ایک غزل میں لکھا ھے :—

محتاجگي سے مجھکو نہیں ایک دم فراغ

حق نے جہاں میں نام کو حاتم کیا تو کیا

لیکن اس کے بعد ھي کے چند سالوں میں وہ نواب عمدۃالملک امیرخاں کے یہاں ملازم ھوگئے - ندیم خاص ھونے کے علاوہ بکاول یا منتظم باورچي خانہ کي خدمات بھي انجام دینے لگے - نواب صاحب موصوف بذلہ‌سنج اور ظریف‌الطبع ھونے کے علاوہ صاحب ذوق بھي تھے - چنانچہ حاتم کي شاعری کے بھي قدردان تھے - اور کیا عجب ھے کہ حاتم کی سخنوري کی شہرت ھي نے نواب کو اُن کی طرف متوجہ کردیا ھو - ''دیوان زادہ'' میں تھوڑا سا کلام ایسا بھي موجود ھے جو نواب کی فرمایش پر لکھا گیا ھے - مثال کے طور پر ھم یہاں حاتم کي ''مثنوي قہوہ'' نقل کرتے ھیں جو نواب عمدۃالملک ھي کے حسب ارشاد تصنیف کي گئی ھے :—

مثنوی در تعریف قہوہ

(حسب‌الارشاد نواب عمدۃالملک امیر خاں بہادر)

— في بحر ہزج مسدس محذوف - مفاعیلن مفاعیلن فعولن —

جہاں میں سرد مہري سے خزاں ھے

جو ھم سے گرم ھے تو قہوہ داں ھے

بجا ہے اس کي مجھہ سے گرم جوشي
کہ جانے ہے مری پیمانہ نوشي
جہاں دیکھو تہاں ہر آن قہوہ
ہے بزمِ عیش کا سامان قہوہ
قبولِ بارگاہِ بادشاہاں
جلو میں دست صاحب دستگاہاں
ہے شاکي رات اور دن نیند اُس ہاتھہ
عداوت ہے اُسے نسیاں کے ساتھہ
انیسِ روح و جان و راحتِ دل
جلیسِ بزم و رونق بخشِ محفل
برائے حرمت افزائے تواضع
تواضع اُس کی ہے جائے تواضع
ہے نورِ دیدۂ مردم پیالہ
سوادِ سرمۂ چشم غزالہ
بجا ہے چھوڑ کر مسند نشیني
یہاں ہو قہوہ پر فغفور چیني
سبھوں کے ہاتھہ مجلس میں پیالہ
چمن سا کھِل رہا یکدست لالہ
مجھے اِس آن گُل لالہ کي دھن ہے
کہ پیالہ آپ ہے اور داغ بن ہے
مرا یک مونس دل بُن رہا ہے
سو اُس کا بھي کلیجہ بھُن رہا ہے
وہ پورا عشق کا سلطان ہے گا
کہ سینہ چاک و دل بریان ہے گا

ہے سب رنگوں میں قہوہ کا عجب رنگ
کہے طاؤس ہے گاہے ہے شب رنگ
بلوریں یوں لگے قہوے سے اب جام
گلے ملتی ہے گویا صبح اور شام
مجھے ہردن یہ چاروں جام بس ہیں
دو پیالے صبح اور دو شام بس ہیں
بلوریں سات پیالے پیالہ داں میں
ہے جن کی روشنی ہفت آسماں میں
مثال عقد پرویں ایک جا ہیں
جو کہیے سبع سیارے بجا ہیں
بجا ہے اس کی اہل بزم کو چاہ
ہمیشہ گر نہ ہو تو گاہ بے گاہ
نہ اس کو دل جلوں سے راہ ہے گی
ہر اک صحبت کی کب پرواہ ہے گی
نہیں ہوتا بجز اشراف کے یار
سدا ہے صحبت پاجی سے بیزار
جہاں میں زندگی حاتم دو دم ہے
اِدھر قہوہ اُدھر حُقّہ کا دم ہے

یہ مثنوی اِس لحاظ سے قابل قدر ہے کہ شمالی ہند کی اُردو کی اولین مسلّمہ نظموں میں سے ہے - میر اور سودا کی مثنویاں اس کے بہت بعد کی پیداوار ہیں - حاتم دہلی کے پہلے اُردو شاعر ہیں جنہوں نے معین موضوعوں پر کئی مسلسل اور دلچسپ نظمیں لکھیں -

نواب عمدۃالملک کے علاوہ اُن کے اعزہ اور احباب بھی حاتم کے کلام کے قدردان تھے - چنانچہ جعفر علي خاں زکي کو جو مرزا جعفر بیگ کے فرزند اور نواب صاحب موصوف هي کے خاندان سے تھے، حاتم سے خاص عقیدت تھي - زکي محمد شاہ کي بارگاہ میں ایک معزز مرتبہ رکھتے تھے اور سہ هزاري منصب سے سرفراز تھے - ان کا یہ امتیاز عمدۃالملک کي وفات تک قایم رہا -

جعفر علي خاں چوں کہ قدردان سخن تھے، عروج کے زمانے میں ان کی ڈیوڑھي پر شاعروں کا ھر وقت جمگھٹا رھتا تھا - یہ جلسے " نکات الشعرا " کي تصنیف سے چار پانچ سال قبل (یعنی تقریباً سنہ ۱۱۶۰ ھ) تک قایم تھے - زکي کا اِنتقال شاہ عالم کے عہد حکومت میں سنہ ۱۱۷۸ھ میں هوا - (دتاسي تاریخ ادبیات، طبع ثاني، جلد سوم صفحہ ۳۲۶) -

حیرت کی بات ھے کہ " دیوان زادہ " میں حاتم نے اپنے دوست جعفر علي خاں کا تخلص صادق لکھا ھے حالانکہ اُن کا تخلص زکي تھا - صادق اس نام کے ایک اور شاعر کا تخلص تھا جو مشہور بزرگ میر سید محمد قادري کي اولاد سے تھے اور جن کي تصنیف " بہارستان جعفري " ھے - بعض اُردو تذکروں میں جعفر علي خاں صادق اورجعفر علي خاں زکي دونوں کا ذکر علیحدہ علیحدہ موجود ھے - لیکن چونکہ ایک ھي زمانہ میں تھے اور نام ایک ھي تھا خلط ملط ھو جانا تعجب کي بات نہیں - "گلزار ابراھیم" میں دونوں کا ذکر ھے - زکي کي نسبت اُس کي عبارت یہاں نقل کي جاتی ھے جس کے مطالعہ سے ھماري معلومات میں کافی اضافہ ھوتا ھے :-

" زکي دهلوي - جعفر علي خان ابن مرزا مومن بیگ - بمنصب سہ هزاري در منصبداران محمد شاہ مرحوم

سرفراز بود - و در مقربان نواب عمدۃالملک امیرخان
مرحوم امتیاز داشت - گویند براجه رام سوائي عاشق
بود - آخر حال بعد انتقال نواب امیر خاں مرحوم
بناکامي گزرانیدہ ازیں جهان گذشت - طبعش در فکر
ریخته رسا و نظم کلامش بطرز قدماست - مثنوي او
که اکثر رعایت ایہام کردہ شہرت تمام دارد - "

(مخطوطہ برٹش میوزیم - ورق ۴۰۲ ب)

میر تقي میر فرماتے هیں :—

"جعفرعلي خاں زکي مرد عمدہ روزگاریست - متوطن دهلي - بادشاہ محمد شاہ بر او فرمائش مثنوي حقه کردہ بود دو سه شعر موزوں کرد - دیگر سر انجام ازو نیافت اکنوں شیخ محمد حاتم که نوشته آمد با تمام رسانید - و آں مثنوي خالي از مزہ نیست...... الاخرہ -"

میر جیسے بد دماغ شخص کا اپنے حریف سودا کے استاد شاہ حاتم کي ایک نظم کو با مزہ کہنا ظاہر کرتا ھے که یه مثنوي کس قدر اهم ھے - خصوصاً جب هم ایک طرف دیکھتے هیں که میر حاتم کو "مردیست جاهل" وغیرہ لکھتے هیں اور ان کے اشعار پر طعن و اعتراض کرتے هیں - اور دوسري طرف ان کي " مثنوی حقه " کو "خالي از مزہ نیست " فرماتے هیں تو همیں اس بوالعجبي پر هنسي آتي ھے اور ساتھه هي حاتم کي مثنوي کي اهمیت واضح هوجاتي ھے- یه مثنوي مضمون "حاتم کي شاعري" آخر میں بطور ضمیمه درج کي جائے گي - بادشاہ کي فرمائش کي تکمیل کے لیے جعفر علي خاں کا حاتم کو منتخب کرنا ظاہر کرتا ھے که وہ حاتم کو اُس دور کے شاعروں میں اِس کام کے سب سے زیادہ اهل سمجھتے تھے - اس نظم کے علاوہ حاتم نے اور موقعوں پر بھي اپنے قدردان کي فرمایش

پر غزلیں لکھی ھیں - ان کے یہاں جو مشاعرے ھوا کرتے تھے اُن میں بھی حاتم حصہ لیتے تھے - چنانچہ " دیوان زادہ " میں بھی ایک ایسی غزل موجود ھے جو ۱۱۵۵ھ میں جعفر علی خاں کی زمین میں لکھی گئی ھے اور جس کا پہلا مصرع یہ ھے :—

دل آگاہ مرا طالب اِرشاد نہیں

(۵)

— استغناء —

حاتم کی طبعیت ابتدا ھی سے " آزادہ رو " اور عرفان پسند واقع ھوئی تھی - اس قسم کے رجحانات ان کے عہد جوانی کی غزلوں میں بھی جا بجا ظاہر ھوتے ھیں - وہ اگرچہ نواب عمدۃالملک کے یہاں ایک اچھے عہدہ پر فائز تھے ' اکثر امیروں اور نوابوں کی صحبت میں گذرتی تھی ' مگر ساتھہ ھی درویشوں کے یہاں بھی آمد و رفت تھی ' اور قدم شریف کے پاس میر بادل علی شاہ کا تکیہ اُن کی خاص نشست گاہ تھا - شاہ بادل ایک صاحب کمال اور با خدا بزرگ تھے - اور نوجوانوں پر خاص اثر رکھتے تھے - ان کی نسبت " طبقات الشعراء " میں ایک دلچسپ واقعہ لکھا ھے :—

" میر مذکور مغفور کہ فقیر اور آزاد متشرع اور درویش خدا یاد ' متورع ' مریدان خاص حضرت شاہ محمد امین سہروردی سے ' جو کہ عقب دیوار پائیں قاضی حمید الدین ناگوری قدس سرہ کے مجردانہ سوتے ھیں ' تھا - رفتہ رفتہ ارادۂ ارادت نے اس کے دل میں جا پکڑی اور بعد اظہار مافی الضمیر کے یہ قبول پایا - لیکن حسب ظاہر ' مامور معروفات

کا اور مملوع ملمهیات سے نہ ہوا - پانچ چھہ مہینے
کے عرصہ میں عطائے تسبیح اور مُصلی اور کلام‌الله
اور خرقہ اور جو چیز مناسب تھی ' بے آنکہ
مکلف عمل شرایع سے ہو ' بسرور اور بتدریج
سرفراز ہوا - سب کے آخر میں ایک ورق ' جس
پر استغفار و اوراد خاصۂ حضرات سہروردی تھے '
اس کو پہنچا اور یہ اس کے پڑھنے پر مامور ہوا -
بمجرد پڑھنے کے اس پر عجب ایک حالت
ہوئی کہ وقت خواهش مباشرت کوئی حرکت قوائے
شہوانی سے نہیں پاتا تھا - اور وقت ارادہ پینے شراب
کے بو شراب کی اس کے دماغ کو پہونچتے ہی قے
ہوتی تھی - یہاں تک کہ بالکل عمل ملمهیات
صفحۂ خاطر اُس کے سے حک ہوگئے اور صلاح و
فلاح دینوی و اُخروی کو پہنچا - "

غرض حاتم بھی میر بادل علی شاہ کے معتقد ہوگئے - اور ان کا یہ اعتقاد ۱۱۴۳ھ میں اِس حد کو پہنچ گیا کہ اِنہوں نے اپنی ایک غزل میں بھی اُس کی طرف اِشارہ کیا ہے - وہ کہتے ہیں :-

خودی کو چھوڑ آ حاتم خدا دیکھہ
کہ تیرا رہنما ہے شاہ بادل

اس شعر کے علاوہ "دیوان زادہ" میں اور بھی دو تین شعر ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ بادل علی شاہ کا اثر حاتم پر کس‌قدر گہرا تھا - اُنیس برس بعد ۱۱۶۲ھ میں لکھتے ہیں :-

حاتم کیا ہے حق نے دو عالم میں سر بلند
بادل علی کے جب سے لگے ہیں قدم سے ہم

اِس شعر کے دو سال کے بعد (یعنی ۱۱۶۴ھ میں) ایک قطعہ لکھا ہے جس میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نوجوانوں کو چاہیے کہ صاحب کمال عارفوں کی صحبت اختیار کریں :—

قدم آکر پکڑ صاحب کمالوں کے، کہ جس تس کو
جو کچھ حاصل ہوا ہے عارف کامل کی صحبت میں
جناب حضرتِ حق سے نہ ہو کیوں فیض حاتم کو
ہوا ہے تربیت وہ بادلِ باذل کی صحبت میں

شاہ صاحب کے اثر کے علاوہ ایک اور وجہ بھی تھی جو شاہ حاتم کو ترک دنیا داری کی طرف راغب کر رہی تھی - وہ عہد محمد شاہ کی عام سفلہ پروری اور بے اطمینانی تھی جو لوگ واقعی صاحب حوصلہ اور اہل ذوق تھے دولت مند نہیں رہے تھے اور جو دولت مند تھے اُنہیں صاحب کمالوں اور سخندانوں کی قدر و منزلت کا سلیقہ نہ تھا - اس کے علاوہ قدیم با وقعت خاندانوں کے چشم و چراغ جو کچھ باقی رہ گئے تھے وہ یا تو عیش و عشرت میں مبتلا تھے یا افلاس میں - اِس طرح اصحاب علم و فضل اور شعرا بد دل ہوتے جارہے تھے - یہ حالت اِس حد تک پہنچ چکی تھی کہ حاتم جیسا قانع شخص بھی اس کی شکایت کرتا ہے - کہتے ہیں :—

خیر و برکت ہند سے سب اُٹھ گئی
سب کی دھارِ تیغ ہمت مڑ گئی

———

عادتِ فیض و کرم اہل دوَل سے چھوٹ گئی
دست ہمت شل ہوا، چشمِ مروت پھوٹ گئی

اِسی موضوع پر حاتم نے ایک مسلسل نظم بھی لکھی ہے جو گویا عہد محمد شاہ کا ایک منظوم خاکہ ہے - یہ نظم "دیوان زادہ"

میں متفرق صفحات پر حاشیوں میں درج ہے - ہم نے اس کو ایک جگہ کرکے حسب ذیل شکل میں ترتیب دیا ہے - چونکہ شاعری کے لحاظ سے بھی یہ ایک اعلیٰ درجہ کی مسلسل نظم ہے اور اُردو میں اس قسم کی مسلسل نظموں کی کمی ہے اس لیے یہاں اس کو مکمل حالت میں نقل کیا جاتا ہے -

کیا بیاں کیجیے نیرنگئی اوضاعِ جہاں
کہ بیک چشم زدن ہوگیا عالم ویراں
جن کے ہاتھی تھے سواری کو سو اب ننگے پاؤں
پھریں ہیں جوتے کو محتاج پڑے سرگرداں
نعمتیں جن کو میسّر تھیں ہمیشہ ہر وقت
روز پھرتے ہیں یہاں قوت کو اپنے حیراں
جن کے پوشاک سے معمور تھے توشک خانے
سو وہ پیوند کو پھرتے ہیں ترستے عریاں
د—پرچۂ نان کو رکھہ ہاتھہ میں کھاتے ہیں امیر
جس کو دیکھوں ہوں سو ہے فکر میں غلطاں پیچاں
خوان الوان کہاں اور وہ کہاں دسترخوان
یعنی چہ میر و چہ مرزا و چہ نواب چہ خاں
پوچھتا کوئی نہیں حال کسی کا اس وقت
ہے عدم دھر کی آنکھوں سے مروت کا نشاں
اقتدار ہے کا جنہیں سوہیں علیہ اللعنۃ
ہیں گے ہر ایک بخود شمر و یزید و مرواں
گرم ہے ظلم کا بازار، خدا خیر کرے
کہیں مظلوموں کے رونے سے نہ آوے طوفاں

۱۰—کان دھر بات کسو کي نہیں سنتا کوئی
آنکھہ سے آنکھہ ملانا تو یہاں کیا امکاں
وے جو بیدار ھیں ان کا تو خدا حافظ ھے
وے جو ھیں نام کو نوکر اُنھیں تنخواہ کہاں
کیا زمانہ کی ھوا ھوئی سبحان الله
زندگاني ھوئی ھر ایک کی اب دشمن جاں
زن و بچوں سے چھپا کھاتے ھیں ٹکڑے کے تئیں
غضب آئے، جو کوئي جائے کسي کے مہماں
وے جو ٹھڈے کو ترستے تھے سو اس دور میں آج
ھوئے ھیں صاحب مال ومحل و فیل و نشاں
۱۵—رتبہ شیروں کا ھوا ھے گا شغالوں کو نصیب
جائے بلبل ھیں چمن بیچ غزل خواں زاغاں
اے خدا ۔ خوب کہا ھے یہ کسو نے مصرع
یعني نعمت بسگاں بخشي و دولت بہ خراں
مرض ھے بھوک کا عالم کو کرے کون علاج
مگر اس درد کو ھو فضل خدا کا درماں
چشم عبرت سے نظر کیجیو اولوالابصارو
دیکھو لوراست میں کہتا ھوں عیاں راچہ بیاں
حاتم اس بحر مروت کي علي دیوے داد
جس کا اس وقت ھوا ھے تو عبیدالاحساں

("دیوان زادہ" میں یہ نظم مسلسل کسي ایک ھي صفحہ پر لکھي ھوئي نہیں ھے بلکہ متعدد صفحات کے حاشیوں پر جن کی تفصیل یہ ھے ۔ اشعار نمبري ۱ تا ۴ ورق ۳۱ الف کے حاشیہ پر ۔ اشعار نمبر ۵ تا ۱۰ ورق ۳۹ ب پر اشعار نمبري ۱۱ تا ۱۵ ورق ۳۴ الف ۔ اشعار نمبري ۱۶ تا ۱۱ ورق ۴۰ الف) ۔

غرض حاتم عمدۃالملک کے ندیم اور بکاول تھے مگر اپنی اس طرز کی زندگی سے خوش نہیں تھے - فقیروں کی صحبت نے ان کو ایک دوسرا ھی چسکہ لگا دیا تھا - وہ سنہ ۱۱۳۹ ھ میں لکھتے ھیں :—

جب سے ھوئی روشن دلوں کے دل اُپر حاتم نگاہ
تب سے یہ روشن ھے میرے دل کا بے روغن چراغ

معلوم ھوتا ھے کہ دوسرے سال (یعنے سنہ ۱۱۴۰ ھ میں) اُن کا یہ شوق اور بھی ترقی کر چکا تھا - چنانچہ اس زمانہ میں انہوں نے اس قسم کے بہت سے شعر لکھے ھیں جن میں سے چند یہ ھیں :—

آشنا حاتم غریبوں کا ھو امراؤں کو چھوڑ
نام کو ذرہ نہیں ھے اِن بچاروں میں دماغ

وھی ھوتا ھے حاتم سب میں نامی بعد مرنے کے
جو جیتے جی اُڑائے آپ سے اپنا نشاں اپنا

دین و دنیا سے گذر کر جو ھوئے ھیں آزاد
حاتم اب معتقد ھمت درویشاں ھے

بعد کے چند سالوں میں بھی ان کا یہ شوق برابر ترقی کرتا رھا - اور اِدھر دنیاوی قدر و منزلت میں غالباً کوئی اضافہ نہیں ھوا اگرچہ س وقت تک اُن کو اپنی شاعری اور سپہ گری کا دعوی تھا - وہ کہتے ھیں :—

سنہ ۱۱۴۳ ھ — ھے وہ چرخی مثال سر گرداں
جس کو حاتم خیال مال ھوا

سنہ ۱۱۴۴ ھ — اے قدر داں کمال حاتم دیکھہ
عاشق و شاعر و سپاھی ھے -

ان اشعار کے علاوہ قریب قریب اس زمانہ کے حسب ذیل اشعار بھی ھمارے اس نظریہ کی تائید کرتے ھیں :—

عجب احوال دیکھا اِس زمانہ کے امیروں کا
نہ اِن کو ڈر خدا کا اور نہ ان کو خوف پیروں کا
مجھے دیوان خانہ سے کسی منعم کے کیا حاتم
ھے آزادی کی کر رھنے کو بس تکیہ فقیروں کا

اِس مضمون کی ایک رباعی بھی ''دیوان زادہ'' میں موجود ھے :-

یک ذرہ کبھو نہ کام آئی مجھہ کو
دولت مندوں کی آشنائی مجھہ کو
گو فائدہ ان سے ھو نہ ھو حاتم ھوں
یکساں ھے شاھی ھو گدائی مجھہ کو

اُدھر دنیاوی ناقدری اِدھر دینی کشش - آخر حاتم نے وھی فیصلہ کیا جو اُن کی فطرت کے مطابق تھا - اور اِس فیصلہ کو اِس رباعی کی صورت میں ظاھر کیا :-

حاتم دل کر مثال آئینہ صفا
چاھے کہ جو ھو صورت حق جلوہ نما
کرتا کیا ھے نصیحتیں غیر کے تئیں
چاھے ھے خدا ؟ تو رہ خدا کی میں خود آ

ایسی صورت میں نواب عمدۃ الملک کی ملازمت کی کیا پرواہ ھوسکتی تھی - فوراً نواب صاحب کی خدمت میں ایک استعفا لکھہ کر پیش کیا جو ایک طرف تو حاتم کی شرافت طبع اور اعلے کردار کا مظہر ھے اور دوسری طرف یہ بھی ظاھر کرتا ھے کہ نواب نے اپنی حد تک حاتم کی قدردانی میں کوئی کمی نہیں کی - حاتم کی یہ نظم اُردو ادب میں بالکل انوکھی چیز ھے - نہ صرف تاریخی بلکہ شعری حیثیت سے بھی :-

عرضی بجناب نواب عمدۃالملک در استعفاء (کذا) خدمت در ۱۱۴۵ھ -

تمھارا عمدۃالملک اسقدر سے خوان نعمت ھے
کہ جس پر رات دن شاہ و گدا مہمان نعمت ھے

جسے دیکھوں ھوں تیري بندگي . . (کرم خوردہ)
تیري دولت سے ھر ایک صاحب الوان نعمت ھے

کھیں ھیں مہر و مہ جس کے تئیں روشن ھے عالم پر
سو دسترخوان کا تیرے دو قرص نان نعمت ھے

سحر سے شام تک اور شام سے تا صبح مدت تک
ھمارا کام تیري بزم میں سامان نعمت ھے

ھوا ھوں سیر ایسا چاشني سے چشک کي تیري
خدا شاھد ھے کس کافر کے تئیں ارمانِ نعمت ھے

جیوں گا جب تلک حق نمک تیرا نہ بھولوں گا
مجھے سب یاد ھے جوجو ترا احسانِ نعمت ھے

ھوا ھوں جب سے داروغہ ترے باورچی خانہ کا
اگر شکوہ کروں اس کا تو یہ کُفرانِ نعمت ھے

ولیکن کھا گئی ھے مجھہ کو رات اور دن کي یہ مخملت
ھے مطبخ کان نعمت پر مجھے زندانِ نعمت ھے

یھی ھے عرض خدمت میں تري حاتم بکاول کي
کہ یہ خدمت اُسے دے جو کوئي خواھانِ نعمت ھے

(نوٹ ـ شعر ۸ کا پھلا مصرعہ حاشیہ پر یوں درج ھے ـ
ولے قیدي کیا ھے مجھہ کو رات اور دن کي مخملت نے)

ان واقعات اور اس نظم کے مطالعہ کے بعد وہ غلط فھمي یقیناً دور ھوجاتي ھے جو اُردو کے بعض تذکروں نے پھیلادي ھے یعنے حاتم نواب عمدۃ الملک کی وفات کے بعد جب بیروزگار ھوگئے تو فقیري اختیار کرلي ـ مثلاً ''مخزن نکات'' میں لکھا ھے :ـ ''بعد فوت او (یعني عمدۃ الملک) توکل روزگار

نسود - باکمال آزادگی می گزارند '' - حالانکہ یہ بالکل غلط ھے - حاتم نے اپنا یہ استعفا ۱۱۴۵ ھ میں نواب صاحب کی خدمت میں پیش کیا اور غلامی پر آزادی کو ترجیح دے کر درویش منش ھو گئے -

ترک ملازمت کے بعد اکثر حضرات نے حاتم کو برا بھلا کہا اور اس منصب جلیلہ سے علیحدہ ھونے پر افسوس ظاھر کیا - مگر حاتم اپنی آزادی اور بے فکری پر مطمئن تھے - اُنھوں نے اپنے معترضین کا جواب حسب ذیل قطعہ میں پیش کیا ھے :-

ایک دن ایک تونگر نے کیا مجھہ سے سوال
بسکہ اپنے تئیں جانے تھا وہ دنیا میں غنی
یعنے - بے ھودہ ھوا کیوں تو فقیر اے حاتم
کچھہ نہیں جان لے اِس فقر میں حاصل شدنی
در جواب اِس کے پڑھا میں نے یہ شعر فایق
کہ سن اِس رمز کو اے غافل و نادان و دنی
نسبت فقر و فنا بسکہ بہم نزدیک است
نیست یک رشتہ جدائی ز کفن تا کفنی

(۶)

— درویشی اور وفات —

جب حاتم ملازمت اور ملازمت کے ساتھہ کاروباری زندگی سے دست بردار ھوگئے تو ان کے بہت سے یار و آشنا جو اُن سے صرف فائدہ اُتھانے کی خاطر ملا کرتے تھے اُن سے علیحدہ ھوگئے - یہ حرکت ھر حسّاس دل کو تکلیف پہنچاتی ھے - اور حاتم بھی اُس کو محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے چنانچہ ۱۱۴۵ھ میں انھوں نے ایک شعر میں لکھا ھے :--

دیکھکر حاتم کو مفلس اُتھہ گئے دولت کے یار
تب تو چرخی کی طرح کھاتے تھے چکر جب تھا مال

لیکن انہوں نے جس نئي زندگي میں قدم رکھا تھا اس کي دلچسپیاں اُن کو اپني طرف روز بہ روز زیادہ کھینچتی جاتي تھیں - اُن کو اُس کي پرواہ نہیں رھي تھي کہ کوئي ان سے ملے یا نہ ملے - اِسي زمانہ میں انہوں نے حسب حال ایک شعر لکھا تھا :-

کرتا میں نہیں خوشامد خلق

حاتم ھوں ازل سے بے ریا ھوں

اور بجائے احباب کے ساتھہ راہ و رسم کے قرار و ترقی کي کوشش کرنے کے وہ معرفت میں ارتقا حاصل کرنا چاھتے تھے چنانچہ اُس سال (یعنے ۱۱۴۸ھ میں) حسب ذیل شعر لکھا ھے :—

لے معرفت کے تو دریا کے دُرکے تئیں حاتم

خدا کرے تجھے اس بحر کا اگر غوّاص

رفتہ رفتہ حاتم نے آشنائیوں اور قدردانیوں کا خیال ترک کردیا - ایک جگہ تو یہاں تک کہہ گئے ھیں کہ میں دولتمندوں کو موجود بھي نہیں سمجھتا - ۱۱۴۹ میں لکھا ھے :—

فقر کے کشور کي حق نے دي ھے مجھہ کو سلطنت

صاحب دولت کو کب موجود کر بوجھوں ھوں میں

لیکن یہ نہیں سمجھنا چاھیے کہ حاتم کسي سے بھی ملتے جلتے نہ تھے - "دیوان زادہ" میں تقریباً اسي زمانہ (یعنے ۱۱۵۱) کا لکھا ھوا ایک خط فاخر خاں بہادر کے نام موجود ھے جو ظاھر کرتا ھے کہ حاتم کا جذبۂ محبت بالکل مر نہیں گیا تھا - اور یہ بھي کہ اُن کے سب احباب غرضي نہیں تھے -

نورالدولہ فاخر خاں بہادر سے حاتم کو دلي محبت تھي - ذیل کے منظوم خط میں انہوں نے جن بے لوث جذبات کا اظہار کیا ھے وہ ہر صاحب دل سے خراج تحسین حاصل کرنے کے مستحق ھیں - اُرد میں

بہت کم نظمیں ایسی ہیں جن میں سچے اور پاک جذبات اِس حلاوت اور خلوص کے ساتھہ پیش کیے گئے ہیں -

"بنام نورالدولہ فاخر خاں بہادر خلف نواب شمس الدولہ مشہور جنگ در سنہ ۱۱۵۱ ھ -"

وہ رکھے ہے رات دن جو (ن) جان مجھے
جس اُپر دینا ہے جان آسان مجھے
اور بھی ہو جوں کمان حلقہ بگوش
اپنے اُوپر گر کرے قربان مجھے
اُس گلِ رنگیں کے آگے چشم میں
خار سے لگتے ہیں سب خوباں مجھے
حق رکھے اُس کو سلامت ہند میں
جس سے خوش لگتا ہے ہندستاں مجھے
ہوں تو حاتم ' ہر گھڑی پر لطف سے
مول لیتا ہے گا فاخر خاں مجھے

بے فکری اور فارغ البالی کے اِن چند ابتدائی سالوں کے بعد ہم کو حاتم کی زندگی کے ایک ایسے دور کا بھی پتہ چلتا ہے جب کہ وہ اپنے افلاس کو محسوس کرنے پر مجبور ہو گئے تھے - یہ غالباً نادر شاہی حملہ اور دلی کے عام تاخت و تاراج کا نتیجہ تھا - سنہ ۱۱۵۸ ھ میں انھوں نے چند ایسے شعر لکھے ہیں جو اُن کی اِس تکلیف کی طرف اشارہ کرتے ہیں مگر جن سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ تکلیف اور پریشانی کے عالم میں بھی حاتم کی فطری بے پرواھی اور توکل مزاجی نے ان کا ساتھہ نہیں چھوڑا تھا :—

تنگ دستی سے نہ ہو دل تنگ و حاتم تنگ چشم
دل تونگر چاھیے تیرا تو گو مفلس ہوا

اگر حاتم جہاں میں مفلس و بے ساز و ساماں ہے
ولے مسند نشینِ صحبتِ مسند نشیناں ہے
سو احتیاج ہو تو بھي طمع نہ رکھہ حاتم
تو اس کے پاس جو ہو تنگ چشم و دل کا خبیس (کذا)

لیکن آیندہ دو تین سالوں میں اُن کي حالت غالباً بہتر ہوگئي - یا تو وہ مفلسي کے عادي ہوگئے تھے یا درویشي و عرفان میں اُن کو زیادہ لطف آنے لگا تھا جب کہ وہ سنہ ۱۱۶۱ھ میں لکھتے ہوں :—

اُٹھا کر خاک سے حاتم چڑھایا آسماں اُپر
میرے اللہ نے ! بندہ نوازي اِس کو کہتے ہیں

بہت ممکن ہے کہ اس اثنا میں بعض حضرات نے حاتم کو منصب و جاگیر کا لالچ بھي دیا ہو لیکن وہ اپني ہي طرز زندگي کو بہتر سمجھتے تھے چنانچہ سنہ ۱۱۶۴ھ میں کہتے ہیں :—

دام سے منصب و جاگیر کے باز آ حاتم
یہ دم نقد نہ کھو فکر محالات کے بیچ
ہوا ہوں تربیت حاتم میں آزادوں کي صحبت میں
پھروں ہوں تب تو ایسا بے غم و اندوہ و وارستہ

اِس کے بعد تین چار سال درویشانہ کسب کمال ہي میں گذرے ۱۱۶۶ اور ۶۷ کے اشعار ہیں :—

مرشد کامل سے یہ ارشاد ہے حاتم کے تئیں
بے ادب ہو جو کہ پیر استاد سے بے پیر ہے
ساز درویشی و سامان فقیري حاتم
میری فہمید میں تنہائي و خاموشي ہے

۱۱۶۸ اور اس کے بعد کے دو ایک سال پھر حاتم پر سخت گذرے گو ان کي فطرت نے اس کی پرواہ نہ کي - چنانچہ اس زمانہ میں وہ لکھتے ہیں :-

مفلسي اور دماغ اے حاتم

کیا قیامت کرے جو دولت ہو !

فیض سے ہمت کے حاتم دل تونگر چاہیے

مفلسي سے اِن دنوں گو دست میرا تنگ ہے

مرے احوال فقر کا مت پوچھہ

زہد مثل فرید کرتا ہوں

اپنے احسان خُلق سے حاتم

آدمي کو عبید کرتا ہوں

گھر کیا ہے ہم نے حاتم برسرِ دارِ فنا

بھاڑ میں ڈالیں گے لے کر منصب و املاک ہم

اس سلسلہ میں اس امر کا اظہار بھي ضروری ہے کہ اب شاہ حاتم بادل علی شاہ کے تکیہ کي جگہ شاہ تسلیم کے تکیہ میں اپنا وقت گذارتے تھے - اِسوقت غالباً بادل علي شاہ کا انتقال ہوچکا تھا - شاہ تسلیم جیسا کہ آزاد نے لکھا ہے ایک نیک مرد فقیر تھے اور شاعر بھي - اُن کا تکیہ دھلي میں راج گھاٹ کے رستہ میں قلعہ کے نیچے ایک دلکشا اور پُر فضا مقام تھا - اس لیے اکثر شعر و سخن کے شائق وہاں صبح و شام جا کر بیٹھا کرتے تھے - حاتم خود فقیر تھے اور فقیروں کے معتقد - چنانچہ بادل علي شاہ کے بعد انھوں نے شاہ تسلیم سے ربط و ضبط بڑھایا اور ۱۱۶۷ میں اُن کی نسبت اپنی ایک غزل میں لکھا ہے -

کہ ہندستان کے درویشوں میں حاتم

ہے تسلیم و رضا میں شاہ تسلیم

اِس تکیہ کي آمد و رفت کے متعلق ہمیں ''مجالس رنگیں'' سے مفید اور دلچسپ مواد حاصل ہوتا ہے آزاد نے ''آب حیات'' میں رنگین کے حوالہ سے جو قصہ نقل کیا ہے اُس کي اصل فارسی عبارت

هم رنگین هي کے الفاظ میں یہاں نقل کر دیتے هیں ـ تا که آزاد کا اصل ماخذ محفوظ هو جانے کے علاوہ دونوں کا اختلاف بھي واضح هو جائے :—

'' مجلس اول در شاهجهان‌آباد - از پنجاہ سال ... (کرم خوردہ) ...... حضرت شاہ حاتم شاہ صاحب که حاتم تخلص مي فرمودند و در شعر استادِ بندہ بودند مدام چهار گھڑي روز باقي ماندہ در تکیه شاہ تسلیم شاہ که زیر قلعه مبارک بادشاهي است تا شام نشسته مي ماندند ـ اکثر شاگردان و مردمان دیگر که در خدمت اوشاں ارادت داشتند ' انجا حاضر مي شدند - روزے در ایام نومشقي ' بندہ درآں تکیه بخدمت شاہ صاحب موصوف نشسته بود ' محمد امان خاں نثار تخلص ' و مِردھے اکبر علی اکبر ' و لاله مکندراے فارغ ' و میاں غلام علي شاہ غلامي , مرزا عظیم بیگ عظیم ' وغیرہ چند شاگرداں و مردم دیگر حاضر بودند حضرت شاہ فرمودند که شب در خواب ایں شعر گفته بودم ' چوں بیدار شدم یاد ماند ـ

سر کو پٹکا هے کبھو سینه کبھو کوٹا هے
رات هم هجر کي دولت سے مزا لوٹا هے

چونکه عالم جواني بود ' در مزاج چالاکي بسیار و شعور کم بود - بے تکلف گستاخانه عرض کردم که اگر مصرعِ ثاني را چنیں ارشاد فرمایند بهتر است ـ

سر کو پٹکا ھے کبھو سینہ کبھو کوٹا ھے

ھم نے شب ھجر کی دولت سے مزا لوٹا ھے

بمجرد شنیدن دست بندہ را گرفتہ قریب خود کشیدہ دست بر سر و سینہ گرداندہ فرمودند کہ آفریں و تحسین - انشاءاللہ تعالیٰ بعد چندے مشق ایشاں نہایت ترقی خواھد کرد - سبب ایں کہ در اول ابتدائے مشق ایں حالت است و بطرف دیگراں مخاطب شدہ فرمودند - مثل ھندی "ھونہار بروا کے چکنے چکنے پات" لیکن باز بوقت تنہائی بہ بندہ ارشاد کردند کہ در دیوان خود ھمیں قسم خواھم نوشت لیکن باز ایں قسم حرکت نخواھند کرد کہ از آداب نہایت دور است - در تنہائی اظہار می کردند ایشاں برائے تربیت در ایں جامی آیند ازیں جہت آگاہ کردہ شد -"

(مخطوطہ انڈیا آفس لندن - ورق ۴ الف)

یہ واقعہ حاتم کی وفات کے کچھہ ھی عرصہ پہلے کا ھے - انھوں نے نہایت طویل عمر پائی تھی - درویشی اختیار کرنے کے بعد بھی حاتم پچاس سال سے زیادہ عرصہ تک زندہ رھے - اِس اثنا میں دنیا کی سیاست نے متعدد پلٹے کھائے - دھلی تباہ ھوگئی اس کے گلی کوچوں میں قتل عام ھوا؟ اس کے تخت پر کئی بادشاہ آئے اور گئے - ھندوستان کی قسمت میں انقلاب پیدا ھو گیا؟ بیسیوں شاعر اور صاحب کمال پیدا ھوے' بڑھے؟ نام پیدا کیا اور مر گئے یہ سب کچھہ حاتم کی نظروں کے سامنے گذرتا رھا مگر وہ صحیح معنوں میں دنیا میں موجود نہیں تھے انھوں نے اس کو مدتوں پہلے ترک کردیا تھا - گو دنیا نے اُن کا پیچھا

نہیں چھوڑا - کبھي عسرت و افلاس کي شکل میں اُن کے یہاں آکر ستاتي، اور کبھي شاعرانہ چشمکوں اور همعصرانہ مخالفتوں کی صورت میں اُن کی خامرش اور بے خودانہ کیف زندگي میں خلل ڈالتي - مگر آفریں هے اُس شخص کي طویل اور پُر سکوت زندگي پر جس کي وجہ سے بیسیوں نوجوان شاعر بن گئے اور متعدد شاعر صاحب کمال هوگئے -

حاتم کي وفات کا ذکر چھیڑنے سے پہلے مناسب معلوم هوتا هے کہ ان کے وہ اشعار پیش کیے جائیں جو اُنھوں نے زمانہ کي خلل اندازیوں کے متعلق اپنے حسب حال لکھے تھے :—

جس وقت هم مریں تو یہی دوستاں لکھو
جائے جواب نامہ همارے کفن کے بیچ
یعنی کہ یہ غریب زمانے کے هاتھہ سے
جاکر بسا تھا ' چھوڑ کے شہروں کو' بن کے بیچ
اُس جا بھي آسماں نے نہ دي فرصت اس کے تئیں
مارا جلا کے آگ لگا تن بدن کے بیچ
چاھے تھا کچھہ کہے کہ اسي دم میں ناگہاں
یوں آگئی اجل کہ رهي من کي من کے بیچ

حاتم کي تاریخ وفات کے متعلق اُردو تذکرہ نویسوں کے بیانات میں اختلاف هے - آزاد اور حسرت موهانی نے دونوں خیال پیش کردیے هیں لیکن تحقیق و تفتیش نہیں کی اور نہ اپنے اوپر کوئی ذمہ‌داري لي هے - بعض تذکرہ نویسوں کا خیال هے کہ حاتم نے ۱۱۹۶ میں انتقال کیا اور بعض کہتے هیں کہ ۱۲۰۷ میں سب سے زیادہ تعجب اس واقعہ پر هوتا هے کہ مصحفی نے اپنے فارسي تذکرہ میں ایک تاریخ لکھي هے اور اُردو میں دوسري - '' عقد ثریا '' ۱۱۹۹ھ کا مرتبہ هے اُس میں حاتم کي وفات کا حسب ذیل الفاظ میں ذکر کیا هے :—

"دریک هزار ویک صد و نو دو هفت در ماه مبارک رمضان
رحلت کرده - فقیر تاریخ رحلتش چنیں یافتہ -

حاتم آں پیشوائے اهل سخن
کہ قدم در مقام فقر فشرد
حرفِ عمرش قضا بہ کزلگِ حک
چونکه از صفحه زمانه سترد
سال تاریخش از خرد جستم
ناگه ایں مصرعہٗ بگوشم خورد
کہ بگو مصحفي چو پر سندت
آہ صد حیف شاہ حاتم مرد"

مصحفي کا "تذکرہ هندي" فارسی تذکرے سے دس سال بعد یعنی ۱۲۰۹ھ میں لکھا گیا تھا - اس میں حاتم کي وفات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ھے :—

"پیش ازیں در تذکرہ فارسي احوال او معہ تاریخ رحلتش صورت تحریر یافتہ عمر قریب بصد رسیدہ بود - دو سہ سال است کہ در شاهجہان آباد ودیعت حیات سپردہ - خدایش بیامرزد -"

حیرت ھے کہ مصحفي "تدکرۂ هندي" میں اپنے قدیم تذکرہ کي تاریخ کا ذکر کرتے هیں لیکن دونوں تذکروں کے بیانات کے اختلاف کي طرف اشارہ تک نہیں کرتے !

قرین قیاس یہي ھے کہ حاتم ۱۲۰۷ھ میں فوت هوئے "تذکرۂ هندي" بعد کا لکھا هوا ھے اس لیے اُس کي تاریخ زیادہ مستند هو سکتی ھے - تذکرہ فارسي کے قطعہ تاریخ کي نسبت یہي کہا جا سکتا ھے کہ شاید اُس وقت مصحفی کو حاتم کي وفات کي غلط اطلاع

مل گئي هو - چوں که وہ خود اُس وقت دهلي ميں نهيں تهے اور حاتم بهت ضعيف العمر هو گئے تهے اس لئے ان کي نسبت ايسي خبر سن کر اُس پر يقين کر ليلا اور قطعه تاريخ لکهلا بعيد از قياس نهيں - چوں که اکثر تذکرے وفات کے وقت حاتم کی عمر قريب سو سال کي بتاتے هيں اس ليے همیں بهی ۱۲۰۷ھ کو صحيح مانلا پڑتا هے -

(۷)

— مذهب —

حاتم صحيح معنوں ميں صوفي منش درويش تهے - اُنهوں نے اپنے فطری ذوق کے اقتضا سے دنيا داری ترک کرکے فقر اختيار کيا تها - اُن کے حالات اور کلام دونوں ان کے متوکل اور راضي برضائے خدا هونے پر دلالت کرتے هيں - اور ان کي طبيعت کا يه رجحان کچهه درويشي هي کے زمانه ميں نهيں پيدا هوا تها جيسا که بعض تذکرہ نويسوں کا خيال هے بلکه عهد جواني ميں بهي جب که وہ عيش پسند اميروں اور بذله سنج نديموں ميں زندگي بسر کرتے تهے ' اُن کے يهي خيالات تهے - سنه ۱۱۳۷ ھ ميں کهتے هيں :—

هوتا هے وهي ' هوگا وهي ' روز ازل سے
حاتم میری قسمت میں جو تحرير هوا هے

کچهه نهيں چاهتا ميں حاتم هوں
مجهکو هر آن ميں خدا بس هے

اس قسم کے خيالات اُنهوں نے ايک قطعه بند غزل ميں بهي ظاهر کئے هيں جو سنه ۱۱۶۹ ھ ميں لکهي گئي تهي - اس نظم ميں بظاهر اُنهوں نے زاهد پر اپني ترجيح کے اسباب پيش کئے هيں مگر در اصل گويا خوف و رجا کے مسئله کو حل کيا هے - نظم خيالات اور اسلوب دونوں کے لحاظ سے دلچسپ هے ' کهتے هيں :—

اِسے کہیں ہیں ' سنا ہوگا شیخ ' خوف و رجا
اُدھر تو توبہ ' اِدھر میں گناہ کرتا ہوں
تو اپنے دل کي سیاھي کرے ھے دھوکے سپید
میں اپنا نامہ عمل کا سیاہ کرتا ہوں
تو روز سنگ سے مسجد کے سر پٹکتا ھے
میں اُس کا نقش قدم سجدہ گاہ کرتا ہوں
تجھے ھے اپني عبادت اپر نظر لیکن
میں اُس کے فضل کے اوپر نگاہ کرتا ہوں

توکل اور انسان کي بے اختیاري حاتم کے مَسلک کي روح رواں ھے - اُن کے سارے کلام میں اسي کي مہک پائی جاتي ھے - سنہ ۱۱۶۹ ھ ھي میں انھوں نے ایک اور قطعہ بند غزل لکھي ھے جس میں منازل عشق حقیقي و مجازي پر بحث کرتے ھیں - اپني بے خواھش اور قانع زندگی کی طرف اشارہ کرتے ھیں ' اور جس کو انسان کي بے اختیاري کے اظہار پر ختم کیا ھے :-

حاتم چلي بہار ' و ترے دل میں اب تلک
نے حسرتِ جنوں ' نہ تمنائے یار ھے
حیرت کي نے ھوس ' نہ ھوائے بر ھنگي
نے رنگ زرد ھے ' نہ تو زار و نزار ھے
نے سوختہ جگر ' نہ ترا سینہ داغدار
نے خشک لب ' نہ دیدہ تر و اشکبار ھے
نے پیرھن پھٹا ' نہ گریباں ترا ھے چاک
زنجیر کي صدا سے نہ تو بے قرار ھے
لڑکوں کے پتھروں سے نہ سر کو ترے ھے ربط
دیوانے کي طرح نہ تو کوچوں میں خوار ھے

نے شوق دشت گردی ' و نے عزم سیر باغ
نے گل ہے دست میں ' نہ کف پا میں خار ہے
نے صبح آہ سرد ہے ' نے شـــام آہ گرم
نے دن کو نالہ ' رات نہ تو سوگوار ہے
نے درد کي ' نہ هجر کی لذت سے تجھہ کو کام
نے وصل کے مزے کا تو امـــیدوار ہے
پھر عاشقي کے نام کو مرتا ہے بے شـــعور
اِس کام میں غرض کہ تو نا کردہ کار ہے
جو تھے فنونِ عشق ' سو هم تجھہ کو کہدیے
...کرم خوردہ...نظر میں لا نہ لا یہ ترا اختیار ہے
سن کر کہا نہیں تو حقیقت سے آشنا
تیري نصیحتوں سے مجھے ننگ و عار ہے
سب منزلیں مجاز کي میں کر چکا هوں طے
مـیرے مـــقـام کا تو یہ لیل و نـہار ہے
نے مرگ کي تلاش ' نہ جینے کي آرزو
نے فـکرِ عـــاقـــبت ' نہ غمِ روزگار ہے
کیا جبر ہے کہ مجھہ کو کہے تیرا اختیار
گو اخـــتـیارِ بندہ تو بے اخـــتـیار ہے

استغنا اور اسباب ظاهري سے بے پرواهي کے علاوہ حاتم نے خداے تعالی کي قربت کی خواهش اور اُس کے لطف و کرم کي امیدواري کا اظہار بھي اکثر موقعوں پر کیا ہے - اس قبیل کے ایک دو شعر یہاں پیش کیے جاتے هیں :—

سنہ ۱۱۵۴ ھ — امید وار ہے درگاہ سے تیري حاتم
کریم اپنے کرم سے اُسے نہ رکھہ محروم

سنہ ۱۱۵۵ ھ — حاتم جہاں کو جان کے فاني خدا کو چاہ

الله بس هے اور یہ باقي هے سب هوس

"دیوان زادہ" میں سنہ ۱۱۶۲ ھ کي ایک قطعہ بند غزل هے جس کا موضوع "گورستان" هے اور جس کے مطالعہ سے ظاهر هوتا هے کہ حاتم کو الله تعالیٰ کی رحمتوں اور بخشش پر یقین کامل تھا :—

ایک دن گذرا میں گورستان میں
دیکھہ کر مُردوں کو آیا دھیان میں
یہ وهی سب هیں کہ جن کے واسطے
حق نے سب پیدا کیا اِک آن میں
یہ وهي هیں صاحبانِ قصر و ملک
بے وطن اس جنگلِ ویران میں
کس طرح یہ جامہ زیبانِ جہاں
یوں پڑے هیں خاک کے دامان میں
کیا کیا اس میں مٹ گئي هیں صورتیں
کیا کیا اس میں هیں بھرے ارمان میں
کون اس میں نیک هے اور کون بد
کون خوش هے؟ کون هے زندان میں
کچھہ نہیں معلوم اس پردے کے بیچ
کیا کریں هیں؟ هیں گے کس سامان میں
هے قیامت هوگا جس دن شور حشر
هوئے گا کیا ان پر اس طوفان میں
تھا اسي غم میں کہ ناگاہ پیر غیب
کہہ گیا آهستہ میرے کان میں

تلخ مت کر زندگی اس فکر بیچ
مت خلل لا اپنے تو اوسان میں
رحمت حق سے نہیں کوئی نا امید
دیکھہ لے لا تقنطو قرآن میں
سب طرح بخشے گا وہ غفار ہے
گر ترے نقصاں نہیں ایمان میں
سنتے ہی دل کو تسلّی ہوگئی
پھر کے آئی جان میری جان میں
کچھہ بھروسا زیست کا حاتم نہ کر
ہے اگر تو خلقتِ انسان میں

اِس موقعہ پر اس واقعہ کا اظہار بھی ضروری ہے کہ ۱۱۶۵ھ سے قبل ہی حاتم کی شہرت شاعر اور با خدا درویش کی حیثیت سے تمام ہندوستان میں عام ہو چکی تھی - چنانچہ اُسی سال دکن میں اُردو شاعروں کا ایک تذکرہ "گلشنِ گفتار" لکھا جاتا ہے جس میں حاتم کا اپنے موقعہ پر ذکر کرنے کے علاوہ مصنف نے ابتدا میں بھی بطور تبرک نام لیا ہے - اور ان کی ایک مثنوی نقل کی ہے جو حمد و نعت اور منقبت میں ہے - یہ مثنوی "دیوان زادہ" میں موجود نہیں ہے - "گلشنِ گفتار" خواجہ حمید خان اورنگ آبادی کی تصنیف ہے - اور حاتم کی زندگی ہی میں "دیوان زادہ" کی ترتیب سے ۱۴ سال پہلے لکھی گئی ہے - اس اہم کتاب کو گذشتہ ہی سال مولوی سید محمد صاحب ایم اے استاد اُردو سٹی کالج حیدرآباد نے ایک مفید مقدمہ اور حاشیوں کے ساتھہ مکتبہ ابراهیمیہ سے شایع کیا ہے - اِسی تذکرہ سے حاتم کی متذکرہ بالا مثنوی یہاں نقل کی جاتی ہے - اس کے مطالعہ سے ایک تو حاتم کے مذہبی رنگ کا اندازہ ہوتا ہے دوسرے ان کے ابتدائی کلام کا اسلوب بھی معلوم ہوجاتا ہے -

اس کي زبان اور ترکیبیں واضح کرتي هیں که دهلی میں اُردو شاعري کی ابتدا اول اول ولي کے کلام کي هو بہو تقاهد میں کي گئی تهي :—

الهی داغ سیں دل کو جلادے
برہ کی آگ مجهه تن میں لگادے
جلا جیوں پهلجڑي مجهه ناتواں کو
شرر لبریز کر هر استخواں کو
فنا کر عشق میں یه جان بے تاب
که جیوں آتش میں گهٹ جاتا هے سیماب
رهے منظور اک معشوق کی ذات
بطوف کعبه و سیر خرابات
بہ آبِ مے نہانا آرزو هے
نمازِ بے خودي کا یه وضو هے
پڑے هیں زخم بے تابی کے ناسور
بآبِ تاک دهو مجهه دل کے انکور
که هو ست آپ سیں یکبار جاؤں
پیمبر کی صفت کرنے کو دهاؤں
محمد صاحب ایجاد ایماں
که جس کی شاں میں آیا هے قرآں
سر و سردار جگ کے سروروں کا
جماعت دار سب پیغمبروں کا
رکهے هیں جس کے دروازے په موسیٰ
سعادت جان دربانی کا عاصا (عصا)
مسیحا ناک گهس تجهه آستاں پر
دماغ اپنا چڑهایا آسماں پر

گئے سب انبیا اس آرزو میں
ردا اس رنگ کی کملی کسو میں

انر سد رہ ستیں ہر پیر جبریل
کیا علمِ حقیقت خوب تحصیل

سریرِ سرورِ بابا سلیماں
چلا جن و پری پر اس کا فرمان

وهي تها نور تیرا سات اُس کے
انگوتهي نام کو تهي هات اُس کے

سُلایا خاک میں اعدائے دیں کو
جگایا دینِ ختم المرسلیں کو

نہ اس کے هات سیف دو زباں هے
شجاعت اور تہور تو عیاں هے

نبي بوجهہ اس کا دوش اُوپر سنبهالا
هوا رتبہ امامت کا دوبالا

قلا (قلعہ) خیبر اتها رهیگا ترا شور
یداللہ نے دکھایا معجزہ زور

قلا گهر توڑ کر ڈالي لڑائي
هزیمت کافراں خندق پہ کهائي

قضا کے راج کي صنعت گري دیکهہ
نبي کے گهر کي یہ بارادري دیکهہ

خدا کے نور کا مت کر سمندر
یهي چودہ رتن کارے هیں باهر

اگر فهمیدہ حکمت آشنا هے
اسي نسخے میں چودہ بدیا هے

نبي کی آل پر سے وار جانا
اسی بارہ پُلے سیں پار جانا

اس نظم کا آخري حصہ حضرت علي اور اُن کے خاندان مبارک کے ساتھہ عقیدت و محبت کا مظہر ھے - حاتم کے اکثر اشعار کا موضوع تولائے آل نبي ھے - چنانچہ اس قسم کے بعض اشعار یہاں تاریخ وار درج کیے جاتے ھیں :—

سنہ ۱۱۳۹ ھ — دل نہاں پھرتا ھے حاتم کا نجف اشرف کے گرد
گو وطن ظاھر میں اُس کا شاھجہان آباد ھے

سنہ ۱۱۴۹ ھ — حاتم ھوا ھوں آل نبي کي پناہ میں
دنیا و دیں کے غم سے نہیں کچھہ خطر مجھے

سنہ ۱۱۵۹ ھ — شاہ مرداں کي شجاعت میں یقیں سے حاتم
قصۂ حیدري و دیکھہ لے حیدر نامہ

سنہ ۱۱۶۹ ھ — نہ میں سنّي نہ شیعہ نے کافر
ایک لعن یزید کرتا ھوں

اُسي سال یعنے ۱۱۶۹ ھ میں حاتم نے ایک ایسي غزل بھي لکھي ھے جس کا زیادہ تر حصہ ایک قطعہ پر مشتمل ھے - یہ قطعہ حضرت امام حسن و حسین کے ماتم میں لکھا گیا ھے - چونکہ شاعري کے لحاظ سے بھی دلچسپ ھے یہاں نقل کیے جانے کا مستحق ھے :—

ایک دن سیرِ گلستاں کو گیا تھا حاتم
دیکھتا کیا ھے کہ یک دشت ھے کانٹوں کي بني
رعد نالاں ھے اِدھر، ابر اُدھر گریہ کناں
سانس تھنڈی سي اُدھر لے ھے نسیمِ چمنی

جوبِ گل چاک ، اِدھر غنچہ گرفتہ خاطر
بلبلِ غمزدہ کرتي ھے ادھر نعرہ زني
بر میں ھے آج اِدھر سرو کے پیراھنِ سبز
پہن بیٹھي ھے اُدھر فاختہ بھگواں کفني
باغبانوں سے جو پوچھا کہ یہ کیا باعث ھے
کہا رو کر کہ یہ ماتم ھے حسینؑ و حسنؑ

(۸)

— احباب اور شاگرد —

حاتم بھی اپنے ھم مشرب بزرگوں کی طرح اپنی خندہ پیشانی ، اخلاص و مروت اور یارباشی میں شہرت رکھتے تھے - گو اُن کے دوستوں کی تعداد زیادہ نہیں تھي لیکن جب کسي سے انہوں نے ربط پیدا کرلیا اس کو مدتوں نباہ دیا - اس واقعہ کا ذکر اوپر گذر چکا ھے کہ جب حاتم نے ملازمت ترک کرکے درویشي اختیار کي تو ان کے بعض غرضي دوست اُن سے جدا ھوگئے - حاتم کو اس کا احساس ضرور ھوا - وہ بے دوست زندگي کو بے لطف سمجھتے تھے - چنانچہ "دیوان زادہ" کی دوسري ھي غزل میں لکھتے ھیں :-

میں ایک روز چلا جائے تھا بیاباں کو
خراب و خستہ و حیراں و ناتواں تنہا
جو اُس میں حضرت صایب نے مجھکو فرمایا
کہ دیکھتا ھوں میں تجھہ کو جہاں تہاں تنہا
نہ ھوویں یار تو کیا زندگي ھے اے حاتم
"چہ حظ کند خضر از عمر جاوداں تنہا"

یہ شکایت اُن کو غالباً ھمیشہ نہیں رھي - اُن کی اخلاقی وسعت اور باطنی کمال نے ان کے بہت سے احباب اور معتقد پیدا کردیے تھے -

نواب فاخر خاں سے اُن کو جو تعلق خاطر تھا اُس کا ذکر گذر چکا ھے - بادل علی شاہ اور شاہ تسلیم کے ساتھہ انکا خلوص و عقیدت بھی ظاھر ھوچکا ھے - " مجلس رنگیں " کی جو طویل فارسي عبارت نقل کي گئي ھے وہ بھي شاھد ھے کہ کس طرح حاتم کے یہاں اھل ذوق جوق در جوق جمع ھوتے تھے اور اگر نوجوان شاگردوں سے بے ادبي یا خلاف آدابِ مجلس کوئي حرکت سرزد ھوجاتي تو حاتم کس خوبي کے ساتھہ اس کي تادیب کرتے - یہي وجہ ھے کہ " تذکرہ گلشنِ گفتار " میں جو ان کي وفات سے ۳۲ سال پہلے دکن میں تصنیف کیا گیا تھا ان کی نسبت لکھا ھے :—

" مرد صاحب همت و طبیعت عالي دارد "

اگرچہ شاہ حاتم کي نشست گاہ خود مرجعِ احباب تھي مگر وہ بھی خاص خاص اشخاص کے یہاں کبھي کبھي ھو آتے تھے - خصوصاً مشاعروں میں جانا تو آخر عمر تک ترک نہیں کیا تھا - چونکہ عمر اور مشق شاعري کے لحاظ سے اپنے تمام ھمعصروں میں فضیلت رکھتے تھے اس لیے ھر جگہ اُن کي کما حقہ عزت بھي ھوتي تھي - مصحفی نے اپنے فارسي تذکرہ میں لکھا ھے " نام نامیش از بس شهرت بسیار مذکور زبان صغار و کبار -" اور پھر اُردو تذکرے میں واضح کرتے ھیں کہ کس طرح حاتم اُن کے مشاعروں میں آتے اور عہد گذشتہ کا ذکر چھیڑتے - کہتے ھیں :-

" در ایامے کہ فقیر در شاھجہان آباد طرح مشاعرہ انداختہ اکثر بعد مغرب در مشاعرہ قدم رنجہ فرمودہ در مجلس نشستہ زمانہ سابق خود را مي ستودہ - "

اپنے ھم عصروں میں حاتم کو سید ھدایت علي خاں ضمیر سے خاص تعلق تھا - یہ دھلي کے رھنے والے نصیرالدولہ بخشي الملک اسد جنگ کے خطاب سے سرفراز اور نواب شجاع الملک محمد علی

وردي خاں مہابت جنگ کے عزیز تھے - کچھہ عرصہ کے لیے عظیم‌آباد گئے تھے جہاں اپنی شجاعت و سخاوت کي وجہ سے خاص شہرت حاصل کي - نواب علی ابراهیم خاں لکھتے هیں :—

"چندے بصوبہ داري عظیم‌آباد بہ نیک نامي گذرانیدہ آخر بنا بر فقرات کہ تفصیلِ آں تطویل مي خواهد در دهلي و اطرافِ آں بتحصول بعضے خدمات بادشاهي بکام و ناکامي بسر بردہ - اوایل سلطنت شاہ عالم باد شاہ باز بعظیم‌آباد آمدہ رحل اقامت انداخت و در حسین‌آباد برحمت الهي پیوست - گاهے بموزونی طبع شعر ریختہ و فارسي مي گفت -"

(مخطوطہ برٹش میوزیم)

گارساں دتاسي نے ضمیر کي ایک نظم "هولي" کي بڑي تعریف کي هے اور فرانسیسي میں اس کا ترجمہ بهي کیا - یہ ترجمہ پیرس کے بلند پا یہ رسالہ "ژرنال دے ساواں" (جریدہ علماء - سنہ ۱۸۳۲ ع صفحہ ۳۸۵) میں شایع هوا تها - گویا آج سے ٹهیک ایک سو سال پہلے - "تاریخ ادبیات هندي و هندستانی" میں بهی یہ ترجمہ منقول هے - (جلد سوم صفحہ ۳۳۰) جس کے مطالعہ سے ظاهر هوتا هے کہ واقعي ضمیر نے ایک دلچسپ نظم لکهی تهی -

ضمیر اور حاتم کے ربط میں ترقي در اصل اس وقت هوئي تهی جب کہ اول‌الذکر عظیم‌آباد کي صوبہ داري چهوڑکر دهلی واپس هوئے تهے - "دیوان زادہ" میں کئی غزلیں ایسي هیں جو ضمیر کی فرمایش پر لکهی گئی هیں - ان میں پانچ ایسي بهي هیں جو ضمیر هي کي زمین میں کهي گئیں - اس قسم کي پہلي غزل ۱۱۶۲ ھ کي تصنیف هے - اس کا پہلا مصرع هے :—

اس معرکہ میں کس کو ھے جرأت جو مر سکے

اسي غزل کے مقطع میں حاتم نے ضمیر کي شاعري کي تعریف بھي کي ھے جو اس لئے قابل قدر ھے کہ تمام "دیوان زادہ" میں صرف ایک دو ھي شعر ایسے ملتے ھیں جن میں کسي شاعر کي تعریف کي گئي ھو - حاتم کہتے ھیں :—

حاتم قسم ھے ایسي غزل اس زمیں میں فکر
جز صاحب ضمیر کے کوئي نہ کرسکے

۱۱۶۲ھ ھي میں ضمیر کي فرمائش پر انھی کی زمین میں شاہ صاحب نے ایک اور غزل لکھی ھے جس کا پہلا مصرعہ یہ ھے :—

اے خرد مندو مبارک ھو تمھیں فرزانگي

بعد کے مسلسل تین سالوں میں بھي حاتم نے تین غزلیں ضمیر کي زمینوں میں لکھي ھیں جن کے پہلے مصرعے یہ ھیں :-

سنہ ۱۱۶۳ ھ — دیکھ اس گلرو کو دل کیوں کر نہ ھووے باغ باغ
سنہ ۱۱۶۴ ھ — یک تماچے میں کبودي کردیا رنگِ فلک
سنہ ۱۱۶۵ ھ — کیوں کر نہ کرے آج مرا جلوہ گري رنگ

حاتم کے ایک دوسرے دوست اشرف علي خاں فغاں تھے - جو مرزا علي خاں زنکنہ کے فرزند اور شیخ علي قُلي ندیم کے شاگرد تھے - احمدشاہ بادشاہ کے کوکہ اور خوش طبع ھونے کي وجہ سے کوکہ خاں ظریف الملک کے خطاب سے بھي سرفراز تھے - ضمیر کي طرح یہ بھي عظیم آباد گئے تھے - اور یہ عجیب اتفاق ھے کہ حاتم کے یہ دونوں دوست اُسي نواح میں فوت ھوے - اُردو کے مطبوعہ تذکروں میں فغاں کے تفصیلي حالات موجود ھیں اور خاص بات یہ ھے کہ ھمعصر تذکرہ نویسوں میں اکثروں سے فغاں کي دوستي تھي -

"دیوان زادہ حاتم" کا مطالعہ ظاھر کرتا ھے کہ حاتم اور فغاں میں

گہرا تعلق خاطر تھا - اور جب تک فغاں دھلی میں رھے یہ میل جول برابر قائم رھا - ضمیر کی طرح فغاں بھی شاہ صاحب کی شاعری کے قدردان تھے اور ان سے غزلوں کی فرمایش کیا کرتے تھے - لیکن خود حاتم اپنے دوست فغاں کے کمال شاعري کے کچھہ کم معترف نہیں تھے - انھوں نے ایک غزل میں سنہ ۱۱۶۲ ھ میں لکھا ھے :—

ھند کي گفتگو انوکھي ھے
چرب ھے سب اوپر یہاں کي زباں
خوب گو سب ھیں لیکن اے حاتم
سب سے ھے خوب تر فغاں کي زباں

حاتم نے کسي اور ھم عصر کي شاعري کي اسقدر تعریف نہیں کي -

فغاں کي زمینوں میں حاتم کی جو غزلیں "دیوان زادہ" میں موجود ھیں اُن کی تاریخ وار فہرست یہ ھے :—

۱ - سنہ 1159 ھ — تیرے ستم کي غیر سے فریاد کیا کروں
۲ - ,, ۱۱۶۱ ھ — گر تجھہ سے دل آزار سے دل یار نہوتا
۳ - ,, ,, — جو ذایقہ سے درد کے دل آشنا نہیں
۴ - ,, ۱۱۶۲ ھ — وہ چشم سیہ راہ میں جاتے نظر آیا
۵ - ,, ۱۱۶۲ ھ — ھمارا دل اگر شیدا نہ ھوتا
۶ - " ۱۱۶۶ ھ — کہ ھندسے کو ترستا ھے مرا دل

شاہ حاتم کے دوستوں کے سلسے میں میر اسلم کا نام خاص طور پر قابل ذکر ھے - یہ صاحب غالباً بڑے شاعر نہیں تھے - تذکروں میں ان کا ذکر موجود نہیں - لیکن یہ حاتم کے خاص دوست تھے اور ایسے دوست جن کي تعریف میں شاہ صاحب لکھتے ھیں :—

دوست مشفق بہت ھیں یارو ولے حاتم کا دل
خاص کر اکثر رھے ھے میر اسلم کي طرف

"دیوان زادہ" میں غزل نمبر ۲۶۵ انہی میر اسلم کي زمین میں سنہ ۱۱۶۲ ھ میں لکھي گئي - اسکا پہلا مصرعہ یہ ھے :—

بہت سے باغ میں دیکھے ھیں ھم سرو

اِن چند احباب کے ذکر کے بعد شاگردوں کے ساتھہ شاہ حاتم کے تعلقات کا ذکر کرنا بھي ضروری ھے - سب تذکرہ نویس مانتے ھیں کہ شاہ حاتم اپنے شاگردوں کے ساتھہ ھمیشہ منصفانہ اور مساویانہ سلوک کرتے تھے - کبھي اپنی استادي پر بے جا تعلي نہیں کي اور نہ استحقاق بزرگی کا اظہار کیا- ان کے شاگردوں کي فہرست طویل ھے مگر جو کسي نہ کسي وجہ سے اھمیت رکھتے ھیں اُن کے نام یہ ھیں :—

مرزا رفیع سودا ؛ مرزا سلیمان شکوہ؛ عبدالحئي تاباں؛ سعادت یار خاں رنگیں ؛ محمد اماں نثار ؛ بقاءاللہ خاں بقا ؛ لالہ مکند لعل فارغ؛ مردھے علي اکبر اکبر - ؛

ان میں سب سے زیادہ مشہور شاگرد سودا ھیں جن پر حاتم کو بجا طور پر فخر تھا - چنانچہ تذکرۂ قدرت اللہ خاں قاسم کے حوالہ سے منشي کریم الدین نے لکھا ھے :-

"نظر انصاف اس کي کا کیا حال لکھوں - ھدایت اللہ خاں ھدایت فرمایا کرتے تھے کہ بارھا میں نے سنا ھے کہ حاتم یہ شعر پڑھا کرتا تھا :—

از ادب صایب خموشم ورنہ در ھر وادیے

رتبۂ شاگردی من نیست استادِ مرا

اور کہا کرتا تھا کہ یہ شعر میري استادي اور مرزا رفیع کي شاگردي کے حق میں ھے -"

حاتم کے دوسرے قابل ذکر شاگرد میر عبدالحئي تاباں ھیں - ان کے متعلق اُردو تذکروں میں بہت سي معلومات موجود ھیں - اس لیے یہاں

صرف حاتم کے ساتھ ان کی عقیدت اور اُن پر حاتم کی مخصوص نظر عنایت کا ذکر کافی ہے - تاباں کی ذہنی نشو و نما در اصل حاتم ہی کی عملی آبیاریوں کی ممنون احسان ہے - حاتم نے ایک سے زیادہ شعروں میں تاباں کا ذکر کیا ہے اور ان شعروں کے سنین تصنیف پر غور کرنے سے تاباں کی تاریخ پیدایش اور عمر وغیرہ پرکافی روشنی پڑتی ہے -

میر اور گردیزی کے بیانات کے مطابق تاباں سنہ ۱۱۶۵ ھ سے پہلے انتقال کر چکے تھے - لیکن ٹھیک تاریخ وفات کا علم نہیں ہے - علی ابراہیم خاں اور علی لطف لکھتے ہیں کہ محمد شاہ کے عہد حکومت میں تاباں فوت ہوئے - یعنی سنہ ۱۱۶۱ ھ سے پہلے - حاتم کے "دیوان زادہ" میں ایک شعر ایسا موجود ہے جو سنہ ۱۱۵۷ ھ میں لکھا گیا ہے اور جس میں تاباں کو زندہ ظاہر کیا گیا ہے - کہتے ہیں :—

ریختہ کے فن میں ہیں شاگرد حاتم کے بہت
پر توجہ دل کی ہے ہر آن تاباں کی طرف

اس سے واضح ہوتا ہے کہ تاباں کا انتقال سنہ ۱۱۵۷ اور سنہ ۱۱۶۱ کے درمیانی زمانہ میں ہوا ہے - اس شعر سے یہ بات بھی ظاہر ہے کہ تاباں آخر عمر تک حاتم کے شاگرد رہے -

اردو تذکروں میں تاباں کے تلمذ کی نسبت اختلاف خیال پھیلا ہوا ہے - بعض کہتے ہیں کہ مظہر کے شاگرد تھے اور بعض سودا کا نام پیش کرتے ہیں - اکثروں نے لکھا ہے کہ آخر میں محمد علی حشمت کی شاگردی اختیار کی - اور پھر یہ بھی خیال پایا جاتا ہے کہ محتشم علی خاں حشمت ان کے استاد تھے - غرض جتنے منہ اتنی باتیں - مگر حقیقت یہ ہے کہ تاباں اصولی طور پر اگر کسی کے شاگرد کہے جاسکتے ہیں تو وہ حاتم ہی کے تھے - یہ اور بات ہے کہ بعد میں انہوں نے دوسرے شاعروں سے بطور ہمعصر اپنے کلام کے نسبت مشورہ کیا ہو -

برٹش میوزیم لندن میں تاباں کا ایک نفیس دیوان موجود ھے - اثنائے مطالعہ راقم نے اُس پر چند اشارے جمع کر لیے تھے - اس وقت مضمون ھذا کی تیاری کے لیے جب ان کاغذوں پر نظر ڈالی گئی تو تاباں کے چند ایسے اشعار بھی مل گئے جو اس مسئلہ کو قطعی طور پر حل کردیتے ھیں - ان میں کچھہ شعر تو وہ ھیں جن میں تاباں نے حاتم کے مصرعوں یا غزلوں کی طرف اشارہ کیا ھے یا انھی کی تضمین کی ھے - چنانچہ وہ کہتے ھیں :—

کہا ھے دیکھہ تاباں راست اس خوش قد کو حاتم نے
اھا ھا ھا ' اھا ھا ھا ' اھا ھا ھا ' اھا ھا ھا

تاباں خزاں کے آنے کی حاتم سے سن خبر
بلبل اُٹھی پکار چمن سے کہ ھائے گُل

تاباں کی طرف حاتم کی مستقل توجہ کے متعلق شاہ صاحب کا ایک شعر ھم ابھی نقل کرچکے ھیں - اس زمین میں "دیوان تاباں" میں بھی ایک شعر ملتا ھے جو گویا حاتم کے اس متذکرہ شعر کا نہایت مناسب اور واضح جواب ھے - تاباں کہتے ھیں :—

اور ھی رتبہ ھوا ھے تب سے اس کے شعر کا
جب سے حاتم نے توجہ کی ھے تاباں کی طرف

حاتم کے جواب میں یہ شعر یقیناً سنہ ۱۱۵۷ ھ کے بعد لکھا گیا ھے - گویا تاباں کی وفات سے دو تین ھی سال قبل - ایسی صورت میں یہ خیال بالکل غیر صحیح معلوم ھوتا ھے کہ تاباں نے آخر زمانہ میں حاتم کی شاگردی ترک کردی تھی -

اسی سلسلہ میں تاباں کے اُس شعر کا ذکر بھی ضروری ھے جس میں وہ حاتم کو اُردو کا بے نظیر اُستاد مانتے ھیں - وہ کہتے ھیں :-

ریختہ کیوں نہ میں حاتم کو دکھاؤں تاباں

اِس سوا دوسرا کوئي هند میں اُستاد نہیں

یہ شعر بہت ممکن هے اُن معترضین کے جواب میں لکھا گیا هے جو تاباں کو حاتم کي شاگردي سے منحرف کرنا چاھتے تھے -

آخر میں هم حاتم کا وہ شعر پیش کرتے هیں جو تاباں کے زمانۂ پیدایش پر روشني ڈالتا هے اور اس امر کي طرف بھي اشارہ کرتا هے کہ وفات کے وقت ان کي عمر کیا هوگي - سنہ ۱۱۳۵ ھ زمیں حاتم لکھتے هیں :-

فیض صحبت کا تري حاتم عیاں هے هند میں

طفل مکتب تھا سو عالم بیچ تاباں هوگیا

هم نے اُوپر ظاهر کر دیا هے کہ تاباں سنہ ۱۱۶۱ھ سے پہلے اور ۱۱۵۷ ھ کے بعد فوت هوئے - اگر هم سنہ ۱۱۶۰ ھ کو ان کي تاریخ وفات فرض کریں تو حاتم کا یہ شعر تاباں کي وفات سے گویا پچیس سال پہلے لکھا گیا - اس موقعہ پر یہ امر قابل غور هے کہ تمام اردو تذکرے اس واقعہ پر متفق هیں کہ تاباں نے عنفوان شباب میں انتقال کیا - عنفوان شباب سے تذکرہ نویسوں کی مراد غالباً یہی هے کہ چالیس سال کي عمر سے پہلے - کیونکہ اگر کوئي شخص چالیس سال سے زیادہ کی عمر میں فوت هو تو اس کو جوان مرگ نہیں کہہ سکتے -

ان دونوں واقعات کے ملانے سے جو کوئی نتیجہ نکلا جا سکتا هے وہ یہی هے کہ اگر تاباں نے سنہ ۱۱۶۰ ھ (یا اس کے قریبی زمانہ) میں تقریباً چالیس سال کي عمر میں انتقال کیا تو سنہ ۱۱۳۵ ھ میں ان کی عمر ۱۵ سال قرار پاتي هے اور اس طرح ان کي تاریخ پیدایش غالباً سنہ ۱۱۲۰ ھ کے قریبي زمانہ میں معین هو سکے گي - شعر کے لفظي

معنوں پر غور کرنے سے بھي يہي خيال ثابت ہوتا ہے - اور "طفل مکتب" کا اشارہ تو اس امر کا بھي امکان پيدا کر ديتا ہے کہ تاباں کي عمر اس شعر کي تصنيف کے وقت ۱۵ سال سے بھي کم ہو گي -

آخر ميں اس واقعہ کا ذکر بھي ضروري ہے کہ حاتم نے اپنے شاگرد کي زمين ميں بھي ايک غزل کہي ہے - اور وہ اس غزل پر سرخي سے يہ لکھتے ہوئے نہيں شرماتے کہ "بر زمين تاباں" حاتم نے يہ غزل سنہ ۱۱۵۸ ھ ميں (گويا تاباں کي وفات سے ايک دو سال قبل) لکھي تھي - اس کا پہلا مصرعہ يہ ہے -

واعظ نہي کو امر کہے امر کو نہي

سودا اور تاباں کے علاوہ حاتم کے بيسيوں اور شاگرد تھے - اور ان سب کے ساتھہ شاہ صاحب کا برتاو مساويانہ اور منصفانہ تھا - ان کي طبيعت اور مشرب کا اقتضا ہي يہ تھا کہ وہ ہرکس و ناکس کے ساتھہ خندہ پيشاني اور مروت و اخلاق کے ساتھہ پيش آتے - وہ نہ صرف مير درد کي طرح ذاتي بزرگي اور صوفيانہ روش کي وجہ سے اپنے ہمعصروں ميں ممتاز تھے بلکہ مرزا مظہر کي طرح حُسن کارانہ ذوق اور خوش طبعي کے باعث نوجوان طبقہ ميں بھي مقبول تھے - ايک طرف نواب عمدۃالملک امير خاں اور اشرف علي خاں فغاں جيسي ظريف اور بذلہ سنج ہستيوں کا اثر تھا تو دوسري طرف بادل علي شاہ اور شاہ تسليم جيسے بے ريا درويشوں کے فيض صحبت سے بھي بہرہ مند ہوئے تھے - يہي حال اُن کے کلام کا بھي ہے جس پر آئندہ صحبت ميں تفصيل سے روشني ڈالي جائے گي - جہاں آزادي خيال اور نزاکت مضمون ميں حاتم کي شاعري مظہر، يقين، اور تاباں سے ملتي جلتي ہے وہيں

تصوف کی چاشنی اور کائنات کے متعلق اپنے خاص نقطۂ نظر کے لحاظ سے درد، میر، اور نظیر کے کلام کے پہلو بہ پہلو ہے - بہت کم شاعر ایسے ہوئے ہیں جن کے حالات زندگی اور خصوصیات شعر میں اس حد تک مناسبت رہی ہو!
